جامعہ مدنیہ جدید کا ترجمان

اگست 2004ء

علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ

انوارِ مدینہ

لاہور

ماہنامہ

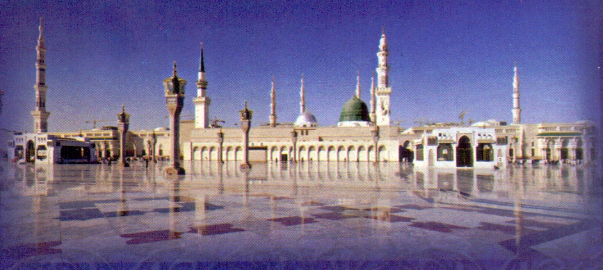

اللہ رے یہ وُسعتِ آثارِ مدینہ
عالم میں ہیں پھیلے ہوئے انوارِ مدینہ

نفیس

بیاد
عالمِ ربّانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ
بانی جامعہ مدنیہ جدید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماهنامه

انوارِ مدینہ

جلد : ۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۵ ۔ اگست ۲۰۰۴ شمارہ : ۸

مدیر اعلیٰ

سیّد محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ لاہور

بدلِ اشتراک	ترسیل زر و رابطہ کے لیے
پاکستان فی پرچہ ۱۳ روپے.......... سالانہ ۱۵۰ روپے	دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی.... سالانہ ۵۰ ریال	فون نمبرات
بھارت، بنگلہ دیش.......... سالانہ ۶ امریکی ڈالر	جامعہ مدنیہ جدید : 092 - 42 - 5330311
امریکہ، افریقہ.......... سالانہ ۱۶ ڈالر	خانقاہ حامدیہ : 092 - 42 - 5330310
برطانیہ.......... سالانہ ۲۰ ڈالر	فون/فیکس : 092 - 42 - 7703662
جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس	رہائش "بیت الحمد" : 092 - 42 - 7726702
E-mail: jmj786_56@hotmail.com	موبائل : 092- 333 - 4249301

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرف آغاز ——— ۳

درس حدیث ——— حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ ——— ۵

زیر تعمیر عمارت کا نقشہ ——— ۹

حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ ——— حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ ——— ۱۰

اقبال کے آئینۂ گفتار میں ——— مولانا ڈاکٹر عبدالرحمٰن ساجد الاعظمی صاحب ——— ۱۸

کمال انسانی کے راز ——— حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ ——— ۲۵

اخلاق نبوت ﷺ کی چند جھلکیاں ——— مولانا محمد سلمان صاحب منصور پوری ——— ۲۸

علماء اہلِ سنت والجماعت دیوبند اور
عصر ہذا کے معتزلہ کے مابین فاصلہ ——— مولانا ابو احمد نور محمد قادری تونسوی ——— ۳۵

دعاء کی افادیت واہمیت ——— حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ ——— ۴۲

سلام بدرگاہِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام - جناب حمید لکھنوی صاحب ——— ۵۳

مسواک کے دینی وطبی فوائد ——— محترمہ طاہرہ کوکب صاحبہ ——— ۵۴

مال محمود اور مال مذموم ——— ۵۸

دینی مسائل ——— ۶۰

اہم اعلان ——— ۶۳

جامعہ مدنیہ جدید کے دفتر حسابات میں تجربہ کار دیانتدار اور متشرع محاسب (Accountant) کی ضرورت ہے۔ خواہشمند حضرات دفتر اہتمام سے رجوع فرمائیں۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد !

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے!

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلٰوۃ واٰتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللّٰہ عاقبۃ الامور . (پارہ ۱۷ رکوع ۱۳)

ترجمہ : ''وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی تعریف فرما رہے ہیں جو اقتدار میں آ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالاتے ہوئے دوسروں کو بھی اُن پر عمل کراتے ہیں خاص طور پر نماز اور نظامِ زکوٰۃ کو رائج کرنا، اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے روکنا اُن کے اہم مقاصد ہوتے ہیں۔

گزشتہ ماہ کی ۱۲/ تاریخ کو صوبہ سرحد کے وزیرِ اعلیٰ جناب اکرم خان درانی نے اعلان کیا کہ :

''آئندہ صوبہ سرحد میں ہر سرکاری اور نجی عمارت میں مسجد کی تعمیر لازمی ہوگی اور نماز کے اوقات میں دکانیں بند رکھیں جائیں گی انہوں نے کہا کہ مسجد کی تعمیر نظر انداز کرنے کی صورت میں عمارت کو گرادیا جائے گا''۔

صوبہ سرحد کی حکومت کا یہ اقدام قابلِ صد ستائش ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ تقلید بھی ہے۔ پنجاب اور دیگر صوبوں کو بھی چاہیے کہ وہ سرحد حکومت کی تقلید کرتے ہوئے نماز جیسے اہم رکن کو صوبہ میں قائم کریں۔ اس سے قبل بھی صوبہ

سرحد نے عوامی فلاح و بہبود کے لیے بہت اہم فیصلہ کیے جن کی تقلید کرتے ہوئے صوبہ پنجاب کی حکومت نے بھی ان کو اپنے صوبہ میں اپنایا۔ مثال کے طور پر صوبہ سرحد نے پانچویں تک طلباء میں مفت کتابیں تقسیم کیں، میٹرک تک تعلیم مفت کی، ذاتی مکان رکھنے پر پراپرٹی ٹیکس معاف کیا تو صوبہ پنجاب نے بھی بعدازاں اِن اُمور کو اپنے صوبہ میں نافذ کیا اور اب صوبہ سرحد نے تعلیم کے میدان میں مزید آگے بڑھتے ہوئے طالبات کو بھی میٹرک تک مفت کتابیں دینے کا اعلان کیا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ مزید صوبے بھی نماز جیسے اہم رکن کو قائم کرنے کے لیے آگے بڑھیں اور عوامی فلاح و بہبود سے متعلق امور کو دیگر کاموں پر مقدم رکھتے ہوئے فوری اور انقلابی اقدامات کریں۔

حدیث شریف میں دنیا اور آخرت کے اعتبار سے نماز کی بہت اہمیت وافادیت بیان کی گئی ہے :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک دن نماز کے بارے میں فرمایا کہ جس نے نماز (کے فرائض سنن اور آداب) کی حفاظت کی تو یہ اُس کے لیے قیامت کے دن نور اور برہان اور نجات بن جائیگی اور جس نے اِس کی حفاظت نہ کی تو یہ اُس کے لیے نور اور برہان اور نجات نہ بنے گی اور قیامت کے دن وہ قارون اور فرعون اور ہامان اور اُبی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۸)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ پانچ نمازیں اللہ نے فرض کی ہیں جو اِن کا وضو اچھی طرح کرے گا اور اِن کو ان کے وقت پر پڑھے گا اور ان کے رکوع کو اور خشوع کو تمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ پر اس کا یہ حق ہے کہ اس کی مغفرت فرمادے اور جس نے ایسا نہ کیا تو اللہ پر کچھ لازم نہیں ہے اگر چاہے تو اس کی مغفرت فرمادے اور اگر چاہے تو اس کو عذاب دے دے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۸)

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں کوتاہی نہ کرے اور حکومت کا بھی فرض ہے کہ وہ لوگوں کو اس میں کوتاہی نہ برتنے دے ورنہ قیامت کے دن دونوں سے باز پرس ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اُمّتِ مسلمہ کو نیک اعمال پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمود

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلھم

درس حدیث

حضرت اقدس پیرو مرشد مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اِس فیض کو تاقیامت جاری و مقبول فرمائے۔ (آمین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قوی حافظہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا معجزہ تھا
دینی طلباء کی تعریف قرآن میں، جوانی کے بارے میں ایک صحابی کو دعاء دی
مسجد میں سونا مکروہ ہے سوائے.....

تخریج وتزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب

کیسٹ نمبر ۴۲ سائیڈ بی/ ۸۵۔۳۔۱

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین امابعد !

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک دُعا دی تھی، جن حضرات نے خدمت کی ہے اور اُن کے حق میں جناب رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے کوئی کلمہ نکل گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو پورا فرمادیا ہے اور عجیب وغریب نتائج دیکھنے میں آئے ہیں ان دعاؤں کے۔ حضرت صائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے لے گئیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مجھے تکلیف تھی کچھ، تو رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک پھیرا میرے سر پر ودعا لی بالبرکۃ اور برکت کی دعا دی مجھ کو۔ اسی طرح اور بھی آتا ہے چند صحابہ کرامؓ کے بارے میں کہ ہم نے اُنھیں دیکھا بڑی عمر کے نوے اور سو کے درمیان قوی اور مضبوط، وہ کہتے تھے کہ یہ جناب رسول اللہ ﷺ کی دُعا کی برکت ہے تو رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے جو بات نکل رہی ہے بس وہ اللہ تعالیٰ نے جیسے کہ اس کو مقبول فرمالیا اور دِکھا بھی دیا سب لوگوں کو کہ یہ دعاؤں کا اثر ہے۔

ہمیشہ جوان رہے :

ایک صحابی کے بارے میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا اَللّٰھم مَتِّعْہ بشبابہ اے اللہ ان کو ان کے شباب

سے جوانی سے متمتع فرما۔ تو وہ بہت عمر کے ہوگئے اور جوان تھے جیسے اُنھیں بڑھاپا آیا ہی نہیں، اس طرح کے واقعات موجود ہیں۔

تکلیفوں پر صبر :

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بڑی تکلیف اُٹھاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس سے نہیں جاتے تھے۔ اتنی اُٹھاتے تھے کہ کچھ ملتا ہی نہیں تھا کھانے کو، کئی کئی وقت کے فاقے ہوجاتے تھے اور کسی سے نہیں کہتے تھے کہ مجھے فاقہ ہے تکلیف ہے بالکل کسی کو نہیں بتاتے تھے۔

دینی طلباء کی تعریف قرآن میں :

قرآن پاک میں بھی ہے **للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللّٰہ** اُن فقرا کے لیے جو خدا کی راہ میں محصور (اور مصروف) ہیں (دینی خدمات کے) گھیرے میں آئے ہوئے ہیں **لا یستطیعون ضربا فی الارض** وہ زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ کیا مطلب ہوا کون ہیں یہ لوگ، یہ اُن حضرات کے بارے میں ہے جو طالب علم تھے "اصحابِ صفہ" تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہتے تھے اور اس مقصد سے کہ ہم ہر چیز سیکھتے رہیں گے وہ طالب علم ہوئے گویا سب سے پہلا مدرسہ جو اسلام میں ہے وہ اصحابِ صفہ کا ہے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے مدارس کو بھی قبول فرمائے اس ضمن میں لے لے تو یہ بہت بڑی چیز ہوگی تو اُن کا یہ حال تھا کہ **کانوا اُناسا فقراء** یعنی بالکل کچھ نہیں تھا ان کے پاس لیکن ایسے لوگ تھے یہ کہ کسی کے خرچہ کی ذمہ داری ان کے سر نہیں تھی، جن کے سر خرچے کی ذمہ داری کسی کی نہ ہو بال بچے بیوی یا والدین کی ذمہ داری نہ ہو وہ آدمی وہاں رہتے تھے۔ اب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہوئے ہیں تو اپنے علاقے سے آئے ہیں کوئی ذمہ داری نہیں تھی خاص اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ شادی سے پہلے وہ بھی رہتے رہے ہیں اصحاب صفہ میں۔

مسجد میں سونا مکروہ ہے سوائے...... :

مسجد میں سوجایا کرتے تھے آپ **کنت انام فی المسجد** یہ اُن کا جملہ آتا ہے کہ میں مسجد میں سوجایا کرتا تھا۔ مسجد میں سونا جو ہے وہ اُسی کے لیے ہے جو مسجد ہی میں رہتا ہو جس کی ایک مجبوری ہو یا معتکف ہو باقی جو ہیں انھیں نہیں سونا چاہیے، مسجد سے باہر سونا چاہیے۔ مسجد میں سونا جو ہے وہ مکروہ ہے۔ اس میں ایسا حال اُن پر ہوتا تھا کہ وہ بیہوش ہوجاتے تھے اور زبان سے مانگتے نہیں تھے کسی سے بھی، تو قرآن پاک میں ہدایت آئی ہے کہ یہ جو صدقات کرتے ہو یہ ان (دینی طلباء) کے لیے خرچ کرو **احصروا فی سبیل اللّٰہ** جو خدا کی راہ میں یعنی طلبِ دین میں طلب علم دین

میں محصور ہوکر رہ گئے ہیں **لا یستطیعون ضربا فی الارض** وہ طلب رزق میں چل نہیں سکتے تجارت نہیں کرسکتے کاروبار نہیں کرسکتے۔ وقت ایک ہی طرف لگا سکتے ہیں دو طرف کیسے لگائیں اور حال اُن کا یہ ہے **یحسبھم الجاھل اغنیاء** ان کو ناواقف آدمی سمجھتا ہے کہ وہ مالدار ہیں **من التعفف** اُن کے سوال سے بچنے کی وجہ سے کہ وہ بالکل سوال کرتے ہی کسی سے نہیں ہیں۔ ناواقف آدمی سمجھتا ہے کہ کوئی ضرورت بھی اِنھیں نہیں ہے۔ **تعرفھم بسیماھم** ہاں اُن کے چہرہ کی خصوصی علامات جو ہیں اُن سے آپ اُنھیں پہچان سکتے ہیں کہ یہ بھوکے ہیں انہیں تکلیف ہے **لایسئلون الناس الحافا** لوگوں سے وہ اصرار کے ساتھ نہیں مانگتے۔ یہ قرآن پاک میں ان (طلباء) کی تعریف آئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں تو بے ہوش ہوکر گر جاتا تھا لوگ سمجھتے تھے کہ دورہ پڑا ہوا ہے تو کسی سے مانگتے نہیں تھے۔ تو آقائے نامدار ﷺ نے اِن کو بھی دُعاء دی تھی ایک دُعاء تو وہ ہے جس کی وجہ سے ان کی یادداشت بڑھ گئی تھی وہ بھی معجزہ ہے۔

محبت کی دعاء :

دوسری یہ دُعا دی کہ **اللّٰھم حبب عُبَیدک ھذا یعنی ابا ھریرة وامه علی عبادک المؤمنین** خداوندا اِس بندہ کو یعنی ابوہریرہ کو اس کی والدہ کو اپنے مومن بندوں میں مقبول بنادے اُن کے دلوں میں اِن کی محبت ڈال دے۔ **وحبب الیھم المؤمنین** اور اِن کے دل میں بھی مومنین کی محبت پیدا کردے یعنی اِن کے اور مومنین کے تعلقات محبت کے رہیں ہمیشہ اور ان سے محبت لوگ رکھتے رہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک محبت کی وجہ یہ بھی بن گئی کہ حدیثیں اِن سے بکثرت منقول ہیں تو ہر محدث ان سے حدیث کی وجہ سے ہی محبت رکھتا ہے۔

کثرت روایات کی وجہ اور یادداشت کا امتحان :

ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ بہت حدیثیں بیان کرتے ہیں حالانکہ ہم بھی ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ ہی کے پاس تو اِنھوں نے اُس سے پوچھا یہ بتاؤ کہ رات تم تھے نماز میں؟ انھوں نے کہا 'تھا'، انھوں نے کہا یہ بتاؤ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں کون کون سی سورتیں پڑھیں؟ ہمیں تو یاد رہتا ہی نہیں ہم امام کے پیچھے نماز پڑھ آتے ہیں اور یہ کہ کون سی سورت پڑھی تھی یہ تو ذہن میں نہیں رہتا۔ انھوں نے کہا نہیں مجھے تو یاد نہیں۔ نہیں تھے تم وہاں؟ کہا ''تھا میں''، مگر مجھے یاد تو نہیں خیال نہیں کیا۔ انھوں نے کہا کہ تمھیں پتا نہیں ہے لیکن مجھے پتا ہے میں بتا سکتا ہوں پہلی رکعت میں یہ پڑھی دوسری رکعت میں یہ پڑھی۔ انھوں نے کہا کہ اس طرح سے جو میں خیال رکھتا ہوں تو میری طرف سے وہ بن جاتی ہے حدیث جو لوگ خیال نہیں رکھتے ہیں تو وہ بیان بھی آگے نہیں کرسکتے تو حدیث بھی نہیں بنتی تو ایک وجہ یہ بھی تھی کثرت سے روایات کی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی احادیث کی جانچ :

اب ان کی حدیثوں کو پرکھا گیا تو یہ بیان تو کرتے ہیں احادیث اور خیال سے کرتے ہیں اور صحیح کرتے ہوں گے گمان بھی ٹھیک ہے لیکن پھر بھی دیکھو تو سہی۔ تو اب پھر (محدثین کو) یہ ملا کہ فلاں قسم کی جو روایت جو انھوں نے بیان کی ہے وہ فلاں صحابی نے بھی بیان کی ہے اور فلاں قسم کی جو ہے وہ فلاں نے بیان کی ہے تو سب حدیثیں دوسرے لوگوں کے بیانات سے مطابق ہو جاتی تھیں، اور فتوحات جتنی ہوتی گئیں صحابہ کرامؓ دنیا میں پھیلتے چلے گئے اب کوئی کہیں ہے کوئی کہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اِن کی روایات اُن کی روایات سے ملتی جلتی ہیں تو اس بناء پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر کہ پتا نہیں یہ حدیثیں کہاں سے اتنی لے آتے ہیں اور کہاں سے آگئیں، یہ کہہ کر شک ڈالنا یا انھیں چھوڑ دینا یہ کوئی کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ ساری کی ساری منطبق ہیں اور تطبیق دے کر دیکھ لی گئیں وہ سب روایتیں اُن کی صحیح بن جاتی ہیں اور روایتیں (آپس میں) مل جاتی ہیں ایک سے دوسری، دوسری سے تیسری۔ تین تین صحابی چار چار صحابی اس قسم کی روایتیں روایت کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن عمروؓ سے کثرتِ روایات اور اُس کی وجہ :

یہ فرماتے تھے کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں اور کسی کو آتی نہیں ہوں گی سوائے عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے کیونکہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو جناب رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی تھی کہ تم لکھ لیا کرو فانہ کان یکتب ولا اکتب وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھا نہیں کرتا تھا، تو مجھے تو بس زبانی یاد ہیں اور شک ہوتا نہیں مجھے، تردد ہوتا نہیں مجھے اور تردد نہ ہونا جو ہے وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا۔ آپ نے ایک دن فرمایا تھا کہ میں اس وقت بیان کر رہا ہوں اور جو بات بھی بیان کر رہا ہوں کوئی آدمی کپڑا پھیلا دے اور پھر جب میں فارغ ہوں بیان سے تو کپڑے کو اکٹھا کر کے اپنے سینے سے لگالے تو بس اُسے یاد رہے گا تو انہوں نے ایسا ہی کیا تو بات اُس حدیث کی معلوم ہوتی ہے جو واقعہ جو بات جو گفتگو اس مجلس میں آپ نے فرمائی ہے وہ گھنٹہ بھر کی ہوگی ڈیڑھ گھنٹے کی ہوگی دو گھنٹے کی ہوگی بات تو تھی وہ، لیکن برکت اس کی پھر ایسی ہوئی کہ ساری عمر اور ساری حدیثوں کے بارے میں یہی حال رہا، جو جناب رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ سن لیتے تھے بس وہ پکا یاد ہو جاتا تھا وہ نہیں بھولتے تھے، تو ان کے لیے آپ نے دعاء فرمائی اور اس دُعا کی برکات اور اثرات اِن کو پہنچے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں ان حضرات کا ساتھ نصیب فرمائے۔

آمین، اختتامی دُعاء.........

جامعہ مدنیہ جدید کی زیرِ تعمیر عمارت کا نقشہ جس کا سنگِ بنیاد اکتوبر میں رکھا گیا تھا

حضرت محمد ﷺ یا اپنے والدین، عزیز و اقارب اور بزرگانِ دین
کی رُوح کو ایصالِ ثواب کے لیے کم از کم ایک کمرہ تعمیر کرائیں

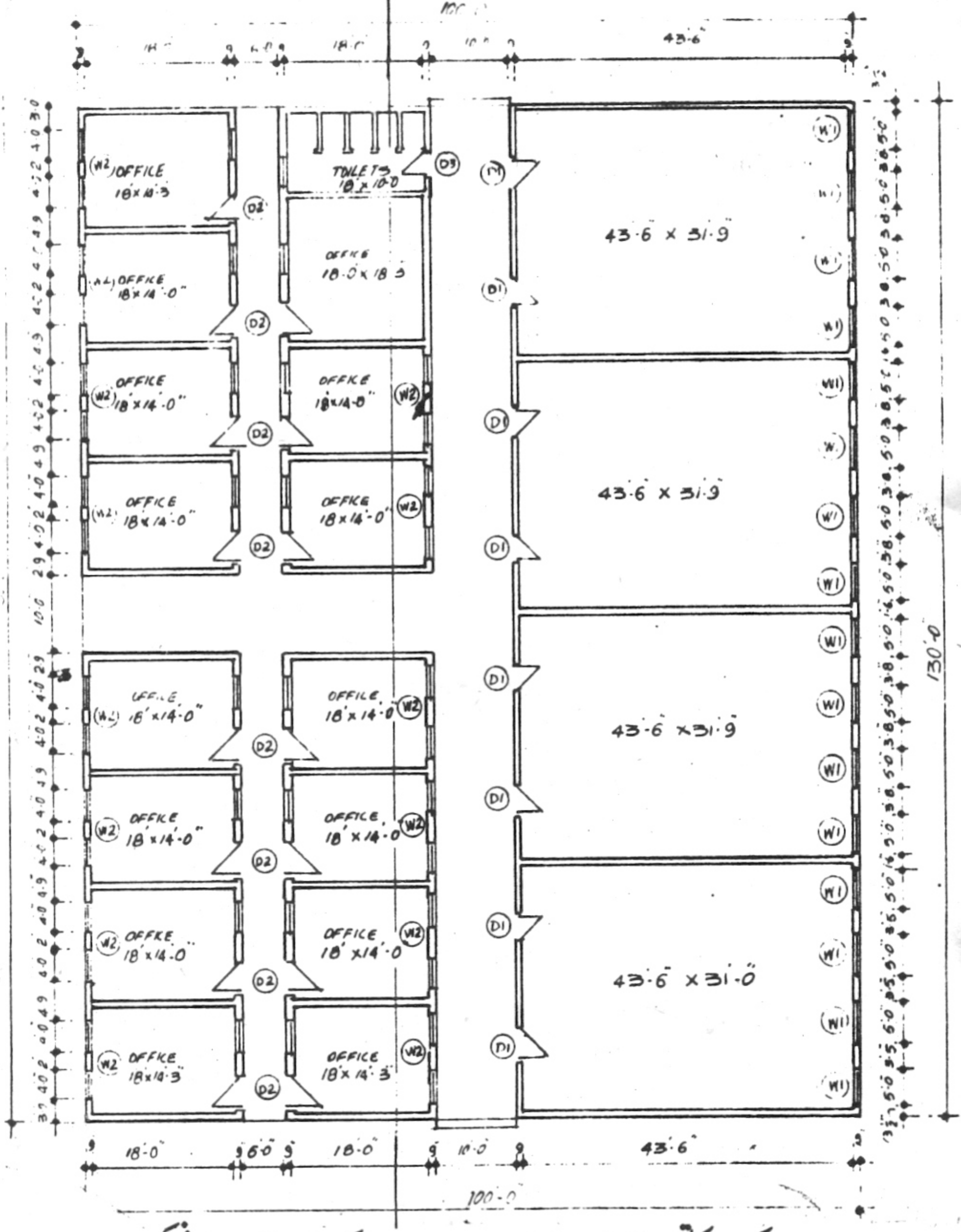

بڑے کمروں کی تعمیر پر آنے والے اخراجات = دس لاکھ پچاس ہزار روپے فی کمرہ

چھوٹے کمروں کی تعمیر پر آنے والے اخراجات = ایک لاکھ پچھتر ہزار روپے فی کمرہ

سلسلہ نمبر ۶ قسط : ۸

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تاحال طبع نہیں ہوسکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کردیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تاکہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہوجائیں۔ (ادارہ)

مہتمم اول دارالعلوم دیوبند

جناب حضرت مولانا حاجی سیّد محمد عابد صاحب

قدس اللہ سرہٗ ورفع درجاتہٗ

﴿ نظرِ ثانی وعنوانات : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

☆☆☆

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی بجنور (یو۔پی، انڈیا) نے اپنی قیمتی تالیف ''تذکرۂ شیخ الہندؒ '' میں یہ سوال اُٹھایا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا بانی کون ہے؟ حضرت حاجی محمد عابد صاحب یا حضرت اقدس نانوتوی رحمہما اللہ؟ وہ لکھتے ہیں :

دارالعلوم دیوبند کا بانی :

اگر مدرسہ عربیہ دیوبند المعروف بہ دارالعلوم دیوبند کی ابتداء ۱۲۸۳ھ مسجد چھتہ سے مانی جائے تو بلاشک وشبہ اس کے بانی حضرت حاجی سیّد محمد عابد حسین صاحب دیوبندی ہیں حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب نہیں ہیں کیونکہ :

(۱) جس وقت مدرسہ مذکور کے لیے چندہ کیا گیا تو اُس وقت حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ دیوبند میں موجود نہ تھے اور نہ اُن کو اس کی خبر تھی بلکہ وہ بروایت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند میرٹھ میں تصحیح کا کام کررہے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب تحریر فرماتے ہیں :

''پھر مولوی صاحب نے مطبع احمدی میں تصحیح کتب کی مزدوری کرلی''۔

یہ واقعہ ۱۲۶۷ھ کا ہے ۔ ۱۲۶۷ھ لغایۃ ۱۲۸۹ھ آپ سہارنپور (میرٹھ) دہلی میں کتابت یا تصحیح کتب کا کام کرتے رہے۔ حضرت میاں اصغر حسین صاحب حضرت شیخ الہندؒ کی تعلیم کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

''۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر زمانہ اُستاذ حجۃ اللہ البالغہ مولانا محمد قاسم صاحب سے شروع کیں ۔ مولانا ممدوح میرٹھ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں تصحیح کا کام کرتے تھے پھر یہ مطبع دہلی منتقل ہوگیا تو مولانا ممدوح بھی دہلی مقیم ہوگئے اور کبھی کبھی دیوبند اور اپنے وطن نانوتہ بھی تشریف لیجا کر مقیم رہے۔ حضرت مولانا نے ان سب مقامات میں اکثر اپنے باکمال اُستاذ کے ساتھ رہ کر دل وجان سے قابلِ رشک خدمت کر کے سعادت حاصل کی الخ'' [۱]

اس تحریر سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ۱۲۸۶ھ تک دہلی اور میرٹھ وغیرہ رہے۔ تذکرہ مشائخِ دیوبند کے مندرجات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی وغیرہ حضرات نے حدیث شریف حضرت مولانا سے دہلی اور میرٹھ رہ کر پڑھی۔ غرضیکہ ۱۲۸۹ھ یا ۱۲۹۰ھ سے قبل حضرت نانوتویؒ کا مدرسہ عربیہ دیوبند سے باضابطہ تعلق ثابت نہ ہوسکا آپ کی آمدورفت اپنے بہنوئی کے یہاں ضرور رہتی تھی اور وہ بھی اس طرح جیسے عام طور پر رشتہ داریوں میں ملنے ملانے جاتے ہیں۔

(۲) سب سے پہلے حضرت حاجی سیّد محمد عابد حسین صاحبؒ نے چندہ کے لیے رُومال پھیلایا اور پانچ روپے اپنی جیب خاص سے نکال کر رومال میں ڈالے اس طرح سیّد صاحبؒ نے شام تک مبلغ تین سو روپے جمع کر لیے۔ اس کے بعد سیّد صاحب کو مدرس کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو مدرسی کے لیے میرٹھ کو خط لکھا۔

''کل عصر اور مغرب کے درمیان تین سو روپے جمع ہوگئے اور اب آپ تشریف لے آیئے'' [۲]

حضرت نانوتویؒ نے جواب تحریر فرمایا۔

''میں بہت خوش ہوا خدا بہتر کرے مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ روپے ماہوار پر مقرر کر کے بھیجتا ہوں وہ پڑھائیں گے اور میں مدرسہ کے حق میں ساعی رہوں گا''۔ [۳]

اس سے معلوم ہوا کہ اصل بانی حضرت حاجی صاحب ہیں حضرت نانوتویؒ کو انھوں نے مدرسی کی غرض سے بلایا تھا اور اسی سے انھوں نے انکار کر دیا تھا۔ تعجب ہے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے یہ کیسے تحریر فرما دیا ہے کہ ''حضرت نانوتویؒ نے مدرسہ مسجد چھتہ میں پڑھایا ہے [۲] لیکن اس کے متعلق ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں اگر مولانا پڑھانے کے لیے بھی تشریف لے آتے تب بھی ہم ان کو بانیوں کے زمرے میں شمار کر لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

---

[۱] حیات شیخ الہندؒ ص ۱۱ [۲] سوانح قاسمی ص ۲۵۰ ، تذکرہ مشائخ دیوبند [۳] مسلک علمائے دیوبند

مدرسہ عربیہ دیوبند کی ابتدائی کارروائی اور اس کے لیے کوشش کرنے والوں میں صرف مندرجہ بالا چار حضرات ہی کا نام سامنے آتا ہے لیکن اس مدرسہ سے قلبی تعلق اس کے لیے دعائیں اور کوششیں کرنے میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنیؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت قاسم العلومؒ، سب ہی حضرات داخل ہیں جن کو تاریخی اعتبار سے بانی نہیں کہا جاسکتا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا اسم گرامی بجز مندرجہ بالا مکتوب کے دارالعلوم دیوبند کے کسی شعبہ میں ۱۲۹۰ھ تک نہیں ملتا۔ ہاں ۱۲۹۲ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کا موجودہ خاکہ تیار ہوا تو اُس میں حضرت مولانا کی شخصیت پیش پیش نظر آتی ہے لیکن افسوس کہ دارالعلوم کی ابتداء ۱۲۸۳ھ بتائی جاتی ہے۔

۳۔ مدرسہ کے مہتمم صاحبان :

۱۔ حاجی سیّد عابد حسین صاحبؒ : از ۱۲۸۳ھ تا ۱۲۸۴ھ۔ دوسری مرتبہ از ۱۲۸۶ھ تا ۱۲۸۸ھ۔ تیسری مرتبہ از ۱۳۰۶ھ تا ۱۳۱۰ھ۔

۲۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ : از ۱۲۸۴ھ تا ۱۲۸۵ھ۔ دوسری مرتبہ از ۱۲۸۸ھ تا ۱۳۰۶ھ۔
درمیان کی مدت میں ہر دو حضرات یکے بعد دیگرے حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

ہماری مندرجہ بالا تاریخی معلومات اور دارالعلوم دیوبند کی روئیداد سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کبھی دارالعلوم کے مہتمم بھی نہیں رہے۔ ۱۲۸۹ھ میں یہاں پہلا دورہ حدیث شریف ہوا اُس وقت کے مدرسین کی فہرست میں بھی مولانا علیہ الرحمۃ کا اسم گرامی نہیں ملتا ہاں اس میں شک نہیں کہ ۱۲۸۶ھ میں حضرت شیخ الہندؒ نے ان سے کتب صحاح ستہ دہلی وغیرہ رہ کر پڑھی ہیں۔

۴۔ یہ تاریخی تبدیلی کب سے؟ :

ہمارے پاس ایک بہت ہی قدیم رسالہ ہے اس کی ظاہری حالت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی عمر نصف صدی سے زائد ہو چکی ہے۔ ذیل میں اس کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے :

> "دو تین سال سے روئیداد سالانہ مدرسہ عربیہ دیوبند میں جہاں جہاں مدرسہ کا ذکر آیا ہے مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو بانی مدرسہ لکھا ہوا دیکھا جاتا ہے اور نیز جب کہ ۶؍جنوری ۱۹۰۵ء کو جناب لیفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر ممالک متحدہ دام اقبالہ بغرض معائنہ مدرسہ عربیہ دیوبند تشریف لائے تو اس بڑے جلسہ میں بھی جس میں علاوہ معززین اصحاب دیوبند و بیرونجات خود ہز آنر بنفس نفیس

رونق بخش جلسہ تھے علاوہ اور خلاف باتوں کے خصوصیت کے ساتھ یہ اظہار کیا گیا کہ مدرسہ عربیہ دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ہیں چنانچہ روئیداد سال ۱۳۲۰ھ و ۱۳۲۲ھ وجلسہ منعقدہ ۶ر جنوری ۱۹۰۵ء سے چند اقتباس درج کیے جاتے ہیں۔ الخ''

اس کے بعد رسالہ کے مرتب نے اپنے دعوے کے ثبوت میں مذکورہ بالا حوالہ جات کی متعدد عبارتیں پیش کی ہیں وہ عبارتیں چونکہ طویل ہیں اس وجہ سے ان کو درج نہیں کیا جا رہا ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا عبارت سے یہ چیز بخوبی ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی بیسوی صدی عیسوی کے ساتھ ساتھ آئی ہے اس سے قبل کیا تھا اور کاغذات مدرسہ میں بانی کس کو لکھا جاتا تھا اس کے بارے میں رسالہ کے مرتب نے حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب پدر بزرگوار حضرت شیخ الہندؒ کا ایک اشتہار (جس کی تاریخ طباعت ۶ر جمادی الاول ۱۳۰۶ھ ہے) اپنے اس رسالہ میں نقل کیا ہے جس میں حضرت سیّد حاجی عابد حسین صاحب ہی کو مدرسہ عربیہ دیوبند کا بانی قرار دیا ہے۔ اس اشتہار پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ جیسے اکابر ہند کے دستخط موجود ہیں۔

۵۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ نے اپنی کتاب **الهدية السنية فی احوال مدرسة الديوبندية** میں بھی حاجی عابد حسین صاحبؒ ہی کو مدرسہ کا بانی قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ کی وفات ۱۳۲۲ھ میں ہوئی ہے۔

۶۔ اس میں شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کا موجودہ ڈھانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ترتیب دیا ہوا تھا جس میں رنگ آمیزی حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شیخ الاسلامؒ نے کی اور اِس کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ (تذکرہ شیخ الہندؒ از ص ۱۳۹ تا ۱۴۴)

تذکرۃ العابدین کے مضمون سے یہ بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ اختلاف تھا ہی نہیں بلکہ اراکین شوریٰ کی رائے بدل جانے پر خفگی تھی کہ جامع مسجد میں حجروں کا کام کیوں بڑھوایا تھا۔ خفگی جاتی رہی اور راضی ہو گئے اور موجودہ قطعہ خرید کر وقف کیا جس پر سنگ بنیاد رکھا گیا۔ ملاحظہ ہو مفتی صاحب کا وہ کھوٹ کا نقشہ جو گزرا۔

ایسے اختلاف ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں حتی کہ ایک گھر میں بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ مثل مشہور ہے ''جہاں برتن ہوتے ہیں کھڑکتے ہیں''، لیکن اس خفگی کو بڑھا چڑھا کر بتلانا بعد کے دور کی بات ہے کسی خاص غرض سے ایسا ہوا ہے اصل اختلاف وہ تھا جو ۱۳۱۰ھ میں پیش آیا جس کے بعد حاجی صاحبؒ نے مدرسہ کا چارج نہیں لیا اور یکسو ہو گئے۔ مدرسہ چل ہی رہا تھا اور انہیں ناموری مطلوب نہ تھی اور یہ حضرت نانوتویؒ کی وفات سے تیرہ سال بعد کی بات ہے پھر بھی جو اُس بعد کے دور کی اختلافی باتیں سنی جاتی ہیں تو وہ اِس قسم کی ہی سمجھنی چاہئیں جیسی بعض جگہ بزرگوں کے متعلقین میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان چیزوں سے بالاتر تھے اور اسی طرح مدرسہ کے ارکان بھی۔ ایسے ہی مواقع کے لیے ہدایت کی گئی ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ یکساں نند در نوشتن شیر و شِیر

☆ میں نے کبھی حضرت مدنی قدس سرہ سے یا اُن کے حلقہ میں کسی سے حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کوئی برائی نہیں سنی بلکہ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ جناب حاجی محمد عابد قدس سرہ کا تذکرہ حذف کیا جائے کیونکہ ایک عرصہ تک نہ معلوم کیوں دارالعلوم میں ایسا کیا جاتا رہا ہے۔ حضرت اقدس اسے حق تلفی سمجھتے تھے۔ دیوبند میں یہی لوگ حضرت سے تعویذ لیتے تھے۔ میرے زمانہ تعلیم ۴۵ء میں حضرتؒ ان کو حضرت حاجی صاحب کے پوتے سیّد التفات حسین صاحب کے یہاں سے تعویذ لینے کو فرماتے تھے۔

☆ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ اختلاف نہایت بے نفسی کے ساتھ تھا کیونکہ اگر حاجی صاحب طالب اہتمام ہوتے اپنے لیے یا اپنے کسی بھی عزیز کے لیے تو اہتمام قبول فرمانے سے گریز نہ فرماتے بلکہ اہتمام کے طالب نظر آتے۔ پھر اختلاف بری نوعیت کا ہوتا لیکن معاملہ برعکس ہے۔ اراکینِ شوریٰ ان کے پیچھے پیچھے اصرار کرتے ہیں اور وہ بار بار دست کش ہوتے ہیں۔

☆ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت میں کوئی فرق نہیں آیا حتی کہ انہوں نے بے چینی میں اپنے استاد گرامی سے مشورہ لیا جس پر حضرت شیخ الہندؒ نے ملاقات کرتے رہنے کو مفید قرار دیا جیسا کہ اشرف السوانح کے حوالہ سے ابھی ذکر ہوگا۔ وہ اس سے پہلے حاجی صاحبؒ کے خلیفہ حاجی محمد انور صاحبؒ سے بھی ملتے تھے۔

☆ حضرت شیخ الہندؒ کے والد ماجد حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ الھدیۃ السنیہ میں ان کی تعریف میں سب سے زیادہ رطب اللسان ہیں اور وہ ۱۳۲۲ھ تک حیات رہے ہیں اور چالیس سال تک دارالعلوم کے رکن رہے۔

☆ میں نے ۱۶/مارچ ۷۶ء کو حضرت مولانا عزیر گل صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں سخاکوٹ عریضہ لکھا اور دریافت کیا کہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے مجوز اور مہتمم اول تھے کیا آنجناب نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے ان کے بارے میں کوئی رائے سنی ہے؟ انہوں نے جواب ارسال فرمایا :

"حضرت حاجی محمد عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فقط اتنا شیخ الہند رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ بزرگ ہیں اور کچھ نہیں (سنا) اور یہ مضمون جو آپ پڑھ رہے ہیں میں اب ان کی خدمت میں بھی ارسال کر رہا ہوں"۔

☆ اگر حضرت مدنی قدس سرہ نے حضرت شیخ الہندؒ سے مخالف رائے سنی ہوتی تو ان کی رائے بھی یہی ہوتی کہ

حاجی صاحب کا ذکر کیا ہی نہ جائے لیکن واقعہ اس کے برعکس تھا آپ ان کا نام مبارک حذف کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔اور حضرت حاجی صاحب کے معاملہ میں تو کہیں کوئی ایسی بات ہی سامنے نہیں آتی بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ صرف چاہتے ہی یہ تھے کہ دین محفوظ ہو جائے اس سے زیادہ کوئی خواہش نہ تھی اور جیسا کہ گزرا ہے ان کے اور حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے درمیان طریقہ نقشبندیہ کے ایک اجازت نامہ میں درمیان میں صرف ایک ہی واسطہ تھا۔دین کے بارے میں ان کے یہی جذبات قربانی اور بے لوثی ہونی چاہیے تھی پھر ساری عمر وہ دنیا سے نظر پھیرے رہے ایسی پاک زاہدانہ زندگی بسر کی جو یہ ایک تارک الدنیا کی ہوتی ہے۔اگر چہ دنیا خود اُن کے پاؤں میں رہتی تھی۔اور اختلاف کے دور میں یکسوئی اختیار کر لینے سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا کہ برائی سے بچ جائیں اور نیکی عنداللہ محفوظ رہے۔میں نے اپنے قیام دارالعلوم کے دوران جو واقعات سنے تھے اُن میں یہ بھی تھا کہ ایک دفعہ غلطی سے کسی طالب علم کے ساتھ زیادتی ہو گئی تو آپ نے اُس سے معافی مانگی۔اہلِ اسلام کے نزدیک ایک امر مسلم ہے جسے ہماری اصول حدیث کی کتابوں میں جابجا بیان کیا گیا ہے ان علماء کو جو تاریخی مطالعہ کرتے ہیں اس زریں اصول کو پیش رکھنا چاہیے اور مراتب علماء وصلحاء ملحوظ رکھنے چاہئیں جبکہ جرح مبہم بھی اصولاً غیر موثر شمار کی گئی ہے وہ اصول یہ ہے :

> قال تاج السبکی فی "الطبقات" فلا یُلتفت..... الثوری وغیرہ فی ابی حنیفةؒ وابن ذئب وغیرہ فی مالک وابن معین فی الشافعی والنسائی فی احمد بن صالح ونحوہ ولو اطلقنا تقدیم جرح لما سلم لنا احد من الائمة اذ ما من امام الاوقد طعن فیہ طاعنون وھلک فیہ ھالکون. (طبقات ص ۹۷)
>
> وقال الشیخ زکریا ادام اللہ فیوضہ فی مقدمة " لامع الدراری" نقلاعن الحافظ زاھد الکوثری رحمہ اللہ وزاد فیہ اسمین فقال وقول الکرابیسی فی احمد وقول الذھلی فی البخاری. (رحمھم اللہ تعالیٰ) (مقدمة اللامع ص ۱۳)

اسی طرح ہر دور کے اہل اللہ حضرات کو بھی سمجھنا چاہیے مثل امتی کمثل المطر لا یدری اولھاخیر ام اخرھا (او کماقال) یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بھی حاجی صاحب کے قریب مسجد چھتہ کے حجرہ میں قیام رکھتے تھے اور جب حضرت نانوتوی قدس سرہ دیوبند تشریف لے آئے تو انہوں نے بھی اسی مسجد کے ایک حجرے میں قیام اختیار فرمایا۔(جیسا کہ تاریخ دیوبند میں تحریر ہے)

> "اور حضرت حاجی صاحبؒ تاحیات مسجد چھتہ میں اپنی جگہ رہتے رہے ہیں اور برابر میں دارالعلوم چلتا رہا ہے"۔

دارالعلوم کا سن وار حال بیان ہو رہا تھا۔ ۱۲۹۲ھ تک کا حال گزر چکا ہے۔ اس کے بعد :

۱۲۹۳ھ میں فتاوٰی کا آغاز ہوا اور انبہٹہ مظفر نگر گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں تین مدارس بایماء حضرت نانوتویؒ قائم ہوئے، تینوں کا دارالعلوم سے الحاق کیا گیا۔

۱۲۹۴ھ میں ترک مجروحین کے لیے طلبہ نے چندہ کر کے بھیجا یہ ترک مجروحین اور یتامیٰ ۷۷۔۱۸۷۸ء میں روس اور ترکی کے درمیان جنگ میں مجروح اور یتیم ہوئے تھے اس سے پہلے سال بھی دارالعلوم سے انہیں چندہ بھیجا گیا تھا اس سال کے آخر میں حضرت مولانا نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، مولانا رفیع الدین صاحب مہتممؒ، مولانا محمود حسن صاحبؒ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ فرائض اہتمام حاجی فضل حق صاحب نے انجام دیے۔ ؎۱

۱۲۹۵ھ میں فضلاء دیوبند نے ثمرۃ التربیت کے نام سے ایک جماعت قائم کی کہ ہر فارغ شدہ سال میں ایک ماہ کی تنخواہ مدرسہ کو دے۔

۱۲۹۶ھ یکم صفر کو جلسہ تقسیم انعام ہوا، اس موقع پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا :

"خداوند کریم کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ تیرہواں سال اس مدرسہ کا جس کو دارالعلوم کہنا بجا ہے بخیر و خوبی پورا ہوا، الخ"۔

اس کے بعد سے مدرسہ کے بجائے اسے دارالعلوم (یونیورسٹی) کہا جانے لگا۔ اسی سال دارالعلوم میں تعلیم طب کا آغاز ہوا۔

۱۲۹۷ھ حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہٗ ۴ر جمادی الاولیٰ بروز پنجشنبہ بعمر ۴۹ سال وصال ہوا۔ **تغمده الله برحمة ورضوانه** ۔ آمین۔

رُوداد دارالعلوم میں اراکینِ دارالعلوم کی طرف سے تحریر ہے :

"پندرھویں سال کا ختم ہونا اور سولھویں سال کا شروع ہونا اس قدر باعث خوشی نہیں ہے جس قدر اس کے مربی و سرپرست حضرت فخر العلماء مولانا مولوی محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے جانا باعث حسرت و افسوس ہے الخ"۔

اراکین شوریٰ نے آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو دارالعلوم کا سرپرست بنایا اور حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ نے مکہ مکرمہ سے یہ تحریر فرمایا :

؎۱ تاریخ دیوبند میں بحوالہ بیاض یعقوبی تحریر ہے کہ اس سفر حج میں حضرت گنگوہی مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی سمیت تقریباً سو حضرات کا قافلہ تھا۔ (تاریخ دیوبند ص ۴۴۹)

"بعد حمد و صلوٰۃ کے فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ ان کی خدمت میں جو صاحب اس فقیر سے علاقۂ محبت اور ارادت اور قرابت رکھتے ہیں خواہ قرابت حسبی ہو یا نسبی عرض ہے کہ مدرسہ عربیہ دیو بند جو اس وقت میں اپنی خوبی سے نہایت رونق اور شہرت پر ہے فقیر کو اس سے ایک علاقۂ خاص ہے بلکہ یہ مدرسہ اپنا ہی مدرسہ سمجھتا ہے اس جہت سے سب صاحب اسی مدرسہ کو اپنا ہی مدرسہ سمجھیں اور جو کچھ اعانت اس مدرسہ کی اپنی ذات سے ہو سکے یا سعی اور سفارش سے ممکن ہو اس میں ہمیشہ ساعی رہیں اور نگرانی اس مدرسہ کی اپنے ذمہ ضروری سمجھیں کیونکہ اس آخری زمانہ میں جو مقبولیت بارگاہِ الٰہی میں کارخانہ علم کو ہے اور امر کو نہیں اور سب صاحب اس مدرسہ کے باب میں بلکہ ہر امر میں متفق و یک دل و یک جہت ہو کر ہمت فرماویں کیونکہ اتفاق اللہ جل شانہٗ کے نزدیک نہایت مقبول اور ہر کام میں موجب انجام نیک ہے فقط۔" (حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کی یہ تحریر گرامی دارالاہتمام دارالعلوم دیو بند میں محفوظ ہے)

(تاریخ دارالعلوم ص ۱۹۲، ج ۱) (جاری ہے)

وفیات

جناب سیف الاسلام صاحب کے خسر صاحب گزشتہ ماہ طویل علالت کے بعد لاہور میں انتقال کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بہت اچھے انسان تھے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

جناب منور صاحب کی جواں سالہ بیٹی گزشتہ ماہ کینسر کے سبب طویل علالت کے بعد وفات پا گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ منور صاحب اور اُن کے اہلِ خانہ کے اِس صدمہ میں اہلِ ادارہ برابر کے شریک ہیں اور دعاء گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اُن کے بچوں کی کفالت اور بڑوں کو صبرِ جمیل کی توفیق نصیب ہو۔

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ میں جملہ مرحومین کے لیے دعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب کرایا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اقبال کے آئینۂ گفتار میں

فرنگی تہذیب و جمہوریت کے خدوخال

﴿مولانا ڈاکٹر عبدالرحمن ساجد الاعظمی، استاذ مدرسہ عربیہ امدادیہ مراد آباد﴾

مغربی تہذیب آج اکثر عوام وخواص کی پہلی پسند بن چکی ہے، اب لباس تراش خراش حتی کہ گفتار ورفتار میں بھی مغرب کی نقالی کا فیشن بن گیا ہے اور فکری مرعوبیت لوگوں کے دل ودماغ پر مسلط ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کے مفاسد اور نقصانات پر اُمت کو اپنے حکیمانہ اشعار کے ذریعہ بار بار متنبہ کیا ہے، انہیں اشعار اور ان کے پس پشت مضامین کا فاضل مضمون نگار نے احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، اُمید ہے کہ یہ مضمون دلچسپی اور شوق سے پڑھا جائے گا۔ (مرتب)

علامہ اقبال نے لکھا اور کہا، لوگوں نے پڑھا اور سنا، رفتار زمانہ کے ساتھ جہاں معنی میں افکار کی گونا گوں تبدیلی یا گفتار و عمل کی بے ربطی نے اقبال کی شخصیت میں کیفیت تضاد کی کچھ جگہ ضرور بنالی ہے۔ ان میں کچھ تو تاویل سے بالاتر اور کچھ پیش و پس کے پس منظر میں فکر و شعور کی بدلتی ہوئی کیفیات کا مظہر ہیں۔

زندگی کی نشاط انگیزیوں اور جلوۂ حسن کی تابانیوں سے گزر کر قلب ونظر کی دنیا کو وادی ایمن کے نور سے روشن کر لینا، مناظرِ قدرت کی نقاشی وترجمانی کرتے کرتے ملت اسلامیہ کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اُس کے امراض وعلاج کی تشخیص و تجویز کے لیے مضطرب و بے چین ہو جانا محض توفیق الٰہی کی بات ہے۔

اور یہ خوش نصیبی (اپنے ابتدائی دور کی ادبی کیفیت اور یورپ سے واپسی کی مناسبت سے یا تو سیّد قطب شہیدؒ کے حصہ میں کردار وعمل بن کر اُبھری یا اقبال کے آئینۂ اشعار میں ملت کا سوز اور اعتماد کی قوت لے کر جلوہ گر ہوئی، ورنہ تو مصر وعرب کی سرزمین سے لے کر خاکدانِ ہندو پاک تک ادب کا ایک بڑا قافلہ اپنی آزاد فکر یا مغربی فکر کی ترجمانی پر تیز گام رہا، اس کے پس پردہ کون سے عناصر کارفرما ہیں، یا تو، دقت نظر کی کوتاہی، یا وقتی اور عارضی لذتیں، یا شہرت ونمود کی خواہشیں۔

یہ بات چاہے تلخ ہو، مگر سچ یہی ہے کہ ایک آزاد مصلحت کوش ادیب ودانشور اور منصب واقتدار کا حریص ٹولہ، ذرا سی مفاد پرستی، تحفظ منصب یا اُس کے حصول کے عوض سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے بلکہ خود حرم کے تقدس کو پامال کرنے کی راہیں بھی استوار کر دیتا ہے۔ ع

حرم رُسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے

اگر چہ اس شعر میں ایک خاص تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے، لیکن حالات کے عمومی منظر نامے کا مکمل عکس بھی ہے۔

بات تین چوتھائی صدی کے آس پاس کی ہے جب اقبال نے فکر و عمل کے لیے اپنا تجرباتی سرمایہ حسرتوں اور تمناؤں کے ساتھ مستقبل کی نسلوں کو اس آگہی کے ساتھ حوالہ کیا کہ :

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں   آنیوالے دور کی دُھندلی سی اک تصویر دیکھ

یہ وہ زمانہ ہے جب مغربی تہذیب کا چلن ابتدائی مرحلے میں تھا۔ اقبال نے اس کی بلاخیزیوں کے مضمرات سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ مستقبل میں اسلامی تہذیب و روایات اور اسلامی اقدار و اخلاقیات کے لیے ارتقائی نقطہ نہیں بلکہ ناقابلِ تلافی خطرات کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اقبال چونکہ مغربی تہذیب کے سمندر میں غوطہ لگا کر آئے تھے اس لیے اس کی حقیقی رُوح سے بھی واقف تھے کہ مغربی تہذیب سب سے پہلے انسان کی ظاہری کیفیت پر اثر انداز ہوتی ہے، پھر رفتہ رفتہ اُس کی طبیعت و مزاج کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔ ع

مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اس تبدیلی کا مستقبل میں سود و زیاں کیا ہوگا، اقبال نے اپنی نوائے پریشاں میں اس راز کو بے حجاب کرنے کی یوں سعی کی ہے۔

عہدِ نو برق ہے آتش زنِ ہر خرمن ہے   ابھی اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے   ملتِ ختمِ رُسل شعلہ بہ پیراہن ہے

سوچئے ! کیا عالمی سطح پر اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش ہے؟ لیکن جن کے نزدیک نئی تہذیب کی طلسماتی دنیا اور اس کی چمک دمک ہی انسانی ترقی کا مفروضہ و محور ہے وہاں مستقبل کی ہلاکت خیزیوں کا اندازہ، سرمایہ دارانہ چیرہ دستیوں کے نتائج، استعماریت و استبداد کی سیاسی و ذہنی فریب کاری کا تصور، آزادیٔ افکار و رائے سے فسادِ قلب و نظر کے امکانات کیوں کر روشن ہوتے۔

اسلامی طرزِ زندگی پر، انتہا پسندی، بنیاد پرستی یا پھر دہشت گردی کے لگائے گئے الزامات کے شور و غل میں، ملت اسلامیہ، اسلامی شخصیات، اسلامی اداروں اور مسلم ملکوں کو مفلوج و محدود کرنے کی موضوعی اصطلاح کو کس طرح محسوس کرتے اور پھر جن دانشورانِ قوم کو ان کی خود فریبی نے یہ سبق پڑھا دیا ہو کہ "وہ تہذیب (اقبال کے تہذیبی رویے) بہر حال ایک عالمی اور مکمل اکائی ہے اور تہذیب کو قومیت، مذہب، علاقے یا دور میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا ہے" تو ان کے بارے میں ......اگر یہ کہہ دیا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ اس قسم کے تصورات قرآن کے فلسفہ سے عدم واقفیت یا لامذہبیت کا نتیجہ ہیں،

قرآن پوری کائنات کے انسانوں کو دو فرقوں میں تقسیم کر کے بہت پہلے یہ اعلانیہ دے چکا ہے ''کہ تم میں سے کچھ کافر ہیں اور تم میں سے کچھ مومن'' (سورۃ : تغابن) اور جب کفر و ایمان کے درمیان ہمیشہ سے تصادم، تخالف، عناد اور تضاد کا رشتہ رہا ہے تو پھر دونوں کے درمیان تہذیب کا اتحاد کیونکر ممکن ہے؟ اور کفر و ایمان کے ہوتے ہوئے تہذیب کو عالمی اکائی ماننا اور کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ''بری چیزیں اور اچھی چیزیں برابر نہیں ہو سکتیں، چاہے بری چیزوں کی کثرت آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہوں''۔ (قرآن)

اگر کسی کی نظر میں اچھی اور بری چیزیں برابر ہو جائیں یا دونوں کے درمیان فرق باقی نہ رہے تو فسادِ قلب و نظر کے سوا اس کے متعلق اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

رہے نہ رُوح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ضمیر پاک و خیال بلند و ذوقِ لطیف

اور ایسے شخص کی نظر میں تہذیب حجازی اور تہذیب فرنگی کی تقسیم کیونکر ممکن ہے اور پھر اسے ثنیت مانوی کے تہذیبی فلسفے کے فروغ سے خطرہ کس بات کا ہے۔

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

ظاہر ہے کہ جب کسی معتبر اور قد آور شخصیت یا کسی اعلیٰ کمان حاکم کا یہ تصور ہو جائے کہ : ع

مرے بازار کی رونق ہی سودائے زیاں تک ہے

تو گو کہ یہ ایک فرد کی اپنی سوچ ہے لیکن اس فکر سے وابستہ صاحب اقتدار شخص کی محض ایک غلطی سے صدیوں پر محیط تاریخ کا سنہرا دور اور اُن کی نسلوں کا روشن مستقبل سیاہ تاریک ہو جاتا ہے اس تصور کا واقعاتی رنگ اقبال کے اس شعر میں دیکھیے : ۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

شریف مکہ اور حسین کی کوتاہ بینی، مفاد پرستی، بلکہ خود فریبی نے مغرب کے پر فریب فلسفے کی داغ بیل کے لیے جس طرح زمین فراہم کی اس کی وجہ سے ۱۹۱۹ء میں صرف خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہی نہیں ہوا بلکہ ۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

اور پھر اس کے نتیجے میں ہندوستان سے مراکش تک تمام دنیائے اسلام پر نکبت و ادبار کی گھٹائیں چھا گئیں۔ عرب انگریزوں کے چنگل میں پھنس گئے، بیت المقدس پر صلیبی پرچم لہرانے لگا، دمشق و بغداد غیروں کے قبضے میں چلے گئے، حجاز کا حکمراں برطانیہ کا وظیفہ خوار بن گیا۔ بظاہر ثنویت مانوی کے تہذیبی علم برداروں کی یہ انتہائی پر فریب اولین یورش ویلغار تھی، ترکی کی حکومت کا خاتمہ محض ملک گیری کا شاخسانہ نہ تھا بلکہ توحید و تثلیث کا ایک معرکہ تھا۔

انگلستان کا وزیرِ اعظم، جنرل ایلنبی (فاتح فلسطین) کے سینہ پر تمغۂ فتح لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ :

''یہ ہلال پر صلیب کی فتح ہے اور آج ہم نے سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ہوئی اپنی شکست کا انتظام لے لیا ہے''۔

یا بقول فرانسیسی جنرل گورو، جب اس نے سلطان ایوبی کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا :

''اے صلاح الدین قبر سے باہر نکل، دیکھ آج صلیبی جنگوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے''۔(انقلابی شخصیات ۹۲)

اگر صرف ان جملوں کی دور رس معنویت کا فلسفیانہ تجزیہ کر لیا جائے تو مغربی تہذیب کی ساخت و پرداخت اور اس کے کارپردازوں کی درپردہ سازشوں کو سمجھنا مشکل نہیں رہ جاتا کہ تہذیب نو کی جگمگاتی دنیا میں مادیت کے اصنام کس کس طشک میں کہاں کہاں بارودی سرنگوں کی طرح ملک وملت اسلامیہ کے حرم میں چھپا کر رکھدئے ہیں۔اسی فریب طلسم کا انکشاف ع

فسادِ قلب ونظر ہے فرنگ کی تہذیب

اور اپنے اسلاف کی امانت کو سینے سے لگائے رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے اقبال نے قوم کو اس طرح پیغام دیا :

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

علامہ اقبال نے خداداد ذہانت وفراست اور اپنے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں تہذیب نو کے قزاقوں کی فسوں کاری وتخریب کاری کی اصل رُوح کو اُمت مسلمہ کے سامنے بطورِ مثال اس طرح پیش کیا :

حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ سازوں نے تن حرم میں چھپا دی ہے رُوح بت خانہ
یہ بت کدہ اِنہیں غارت گروں کی ہے تعمیر دمشق ہاتھ سے جن کے ہوا ہے ویرانہ

اور پھر تاریخ کے ان آباد ویرانوں میں فرنگی روح کی تربیت وپرورش کے لیے دنیا کی بساط پر جس نظامہائے فکر کی تشکیل کی جارہی تھی اس کے اجزائے ترکیبی اس طرح بیان فرمائے :

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب ورنگ خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

سرمایہ دارانہ نظام سلطنت کی یہ تدبیر اور رنگ ونسل، تہذیب وتمدن، قومیت ووطنیت، کلیسائیت وسلطنت کی یہ سیاسی ترجیحات کیوں ہیں؟ اس کی تہ داریوں میں فرنگی تخیلات کی نفسیات کیا ہیں؟ افرنگ کی حکمت اور ابراہیم کی ملت میں فرق کیا ہے؟ اقبال نے کہا :

تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم

سوچیے ! لیکن یہ ذہن میں رکھیے کہ اس کا صحیح ادراک قرآن وحدیث کے مفہوم ومعانی میں تفکر وتدبر کے بغیر ممکن نہیں۔ علامہ اقبال چونکہ اسلامی فلسفۂ حیات سے اچھی طرح واقف تھے اِس لیے انہیں یہ احساس تھا کہ قرآنی فلسفہ سے بیزاری اور فکر گستاخ کی غلط پاسداری ملک وقوم کو تباہی کی طرف لے جارہی ہے۔ اس لیے تہذیب نو کے والہ وشیدا اور اس کی گھنی چھاؤں میں سرپٹ دوڑنے والے فرزندانِ قوم سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں۔ ٹھہرو! مجھ سے سنو: میں بھی کبھی اس نئی تہذیب کی راہوں کا مسافر تھا۔ میرے احساسات بھی کل وہی تھے، جو آج تمہارے ہیں :

معلوم ہے مجھ کو ترے احوال، کہ میں بھی مدت ہوئی گزرا تھا اِسی راہ گزر سے

اس لیے اگر تم سمجھ سکو تو عرض کروں کہ حیات تازہ کی لذتوں کا انجام دروں، حسد، عداوت، خود فروشی، ہولناکی اور قتل وخونریزی کے سوا اور کچھ نہیں کیونکہ حکمت افرنگ کا ہر فلسفۂ حیات، لذت کام ودہن کے خوش رنگ پردے میں تفریق وتصادم جیسے ابلیسی فلسفہ پر مبنی ہے۔ اس فلسفہ کی نشوونما کے لیے خواجگی کے کچھ مسکرات بنائے گئے۔ پھر انہیں رفتہ رفتہ ملتِ اسلامیہ کی جڑوں میں پیوست کرنا شروع کردیا گیا جس کے اثرات تفریق ملل کی صورت میں رونما ہونے لگے۔ نتیجہ ظاہر تھا، امتیاز خیر وشر کا تصور رُخصت ہوا، اچھا کیا ہے؟ برا کیا ہے؟

گروہوں اور طبقوں میں تقسیم ہوکر عامۃ الناس کے لیے گمراہی اور اختلاف وانتشار کا سبب بن گیا جس کی وجہ سے : ؎

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

وقت کی تیز رفتار گردش نے آج ہمیں جس موڑ پر لاکر چھوڑا ہے وہاں ہمیں ''خوب'' و ''ناخوب'' کے مساوی ہونے یا ''ناخوب'' کے ''خوب'' ہونے کا اتنا غم اور افسوس نہیں، جتنا دکھ اور افسوس اس بات کا ہے کہ وقت کے فرعونوں نے ''خوب پر ناخوب'' کا لیبل لگاکر مختلف تاویلات وترجیحات یا خطرناک تدبیروں کے ذریعہ ایسے گروہ کی تشکیل کردی جو حصولِ مقصد کو ہی سب سے بالاتر، زندگی کا حاصل اور کامرانی کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ ؎

کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند تاویل مسائل کا بناتے ہیں بہانہ

آج ان حقائق کا مشاہدہ دنیا کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں کیا جاسکتا ہے۔ گاؤں کی خانگی زندگی سے لے کر شہر کی تمدنی زندگی تک، ایوانِ سلطنت کی سیاسی فصیلوں سے لے کر رفاہی اداروں اور ملکی دانش گاہوں تک، کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اقتدار کی رسہ کشی، جنگ وجدل کا منحوس سایہ، اور مادیت کی گرم بازاری نہ ہو۔

ان چیزوں نے اگر ایک طرف ربط وضبط ملت کی کوششوں کو نامراد کیا تو دوسری طرف اخلاقی اقدار وروایات کو پامال کرکے دنیائے انسانیت کو خانہ جنگی اور بارود کے دہانے پہ کھڑا کردیا۔ اقبال کی نگاہ دوربین میں اسی تبدیلی کا نام نئی

تہذیب ہے۔

علامہ اقبال نے اغیار کے تیور دیکھے، حکمتِ افرنگ کے مقصدِ اصلی کو سمجھا، اپنوں کی بے ضمیری دیکھی، عالمِ اسلام کی بے حسی کو سوچا، اُمّتِ مسلمہ کے سود و زیاں پر نظر کی تو محتاط لہجے میں بولے :

میں نہ عارف نہ مجدد نہ فقیہ ہاں مگر عالمِ اسلام پر رکھتا ہوں نظر

پھر حالات سے نتائج اخذ کر کے اعتماد و یقین کی پوری قوت سے اس بات کا اظہار کیا : ع

فاش ہیں مجھ پر ضمیرِ فلک نیلی فام

اندازِ تکلم کا یہ معجزانہ طرز شاید اس لیے اپنایا گیا کہ یہ بات آپ کے دل کو اپیل کر سکے اور آپ اس حقیقت کو سمجھ سکیں کہ نئی تہذیب جو آزادی افکار، تعلیم، مساوات، بے دین سیاست اور آئین جمہوریت کا مجموعہ ہے، اس کا خاکہ اگر دلچسپ و دل فریب ہے تو اس کا ظاہری رنگ بھی اتنا دلنواز ہے کہ ایک ہوش مند انسان بھی نفع و ضرر اور امتیازِ خیر و شر کی دولت سے محروم ہو جاتا ہے اور ہوتا بھی یہی آیا ہے۔

مثالِ ماہ چمکتا تھا جن کا داغ سجود خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی

تاریخ یہی کہتی ہے کہ فرنگیوں کی دیو بے زنجیر سیاست میں وہی لوگ گرفتار ہوئے جو دوں نہاد، مردہ ضمیر تھے اور ایسے ہی مصلحت کوشوں نے یہ نعرہ لگایا۔ ع

زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ بساز

یعنی زمانہ کے ساتھ چلنا ہی دانش مندی ہے مگر جنہیں حقائق کا صحیح ادراک تھا اُن کے لیے دین و مذہب اور اسلامی اقدار و روایات سے انحراف کر کے تہذیبِ نو اور حیاتِ تازہ کے غیر صحت مند فلسفۂ حیات کو قبول کرنا تو درکنار اس سے مفاہمت کرنا بھی ممکن نہ تھا، اقبال نے ایسے سلیم الطبع، غیور اور جرأت مند لوگوں سے کہا :

حدیثِ بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ ستیز

مغربی تہذیب کے خلاف نفرت و مخالفت، احتجاج و انکار اور تردید و تنقید کا اس قدر شدید اظہار صرف اس لیے نہ تھا کہ وہ اسلامی اصول و ضوابط سے متصادم تھی بلکہ اس کی ہر ترکیب میں مکر و فریب کی پیوندکاری، اس کا سچ اور جھوٹ یکساں تھا۔ اس کا ہر فلسفۂ حیات اُمّتِ مسلمہ کی تباہ کاری، انسانی اقدار کی پامالی اور دنیائے انسانیت پر حکمرانی جیسے پُر اسرار فارمولوں پر مشتمل تھا :

ہمیشہ مور و مگس پر نگاہ ہے اُن کی جہاں میں ہے صفتِ عنکبوت اُن کی کمند

اور یہ کوئی بات بھی نہ تھی بلکہ خالص ملوکیت و سلطنت کی یہ لازمی صفات تھیں جس کی طرف قرآنی آیت سے

استشہاد کرتے ہوئے اقبال نے اس نظم میں اشارہ کیا : ۔

سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری آ بتادوں تجھ کو رمزِ آیۂ اِنَّ الملوک

غالب اقوام کی جادوگری کی سب سے اہم اور پُر فریب ترکیب، سفیروں کی آمد و رفت میں مضمر ہوا کرتی ہیں، ان سفراء کی ملاقاتی سرگرمیوں، قربتوں، محبتوں اور ہمدردیوں کے پس پردہ کچھ خطرناک منصوبے، کچھ خوفناک عزائم، کچھ دل فریب حکمتِ افرنگ کارفرما ہوتی ہیں جنھیں نرم و گرم لہجوں کے سہارے ترتیب دیا جاتا ہے۔

ملاقات کی ان مجلسوں میں خیر سگالی اور تعاون کی باتیں، ملکی سطح پر معاشیات واقتصادیات کی بہتری کے کچھ فیصلے، جدید سائنٹیفک ٹیکنالوجی کی پیش کشیں اور ملک کو ترقیات کی بلندیوں تک پہنچانے کے لیے کچھ خفیہ عہد و پیماں اور بہت کچھ خاکے جو کمزور اقوام کے لیے ذہنی غلامی کی بنیاد فراہم کردیتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ وہ سب کچھ ہوجاتا ہے، جس کے بارے میں نہ دنیا کبھی سوچ سکتی تھی نہ خود ملک وقوم کے سربراہان ! کہ یہ ہمدردیاں کبھی دامِ ہمرنگ زمین سے بھی زیادہ پُر فریب ہوسکتی ہیں۔

علامہ اقبال نے وسیع تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں سفارتی سرگرمیوں میں مضمر خفیہ سازش کو اس طرح بے نقاب کیا : ۔

تو ہیں ہراولِ لشکر کلیسا کے سفیر متاعِ غیر پر ہوتی ہے جب نظر اُس کی

اقبال کے اس شعر کی وضاحت کچھ تاریخی شہادتوں کے حوالوں سے تاکہ فرنگی سفارت کی روح کو آپ جان پہچان سکیں۔ (جاری ہے)

❁❁❁

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ جدید ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ کو عصر کی نماز کے بعد بمقام 537-A فیصل ٹاؤن نزد جناح ہسپتال مستورات کو حدیث شریف کا درس دیتے ہیں۔ خواتین کو شرکت کی عام دعوت ہے۔ (ادارہ)

❁❁❁

کمال انسانی کے راز

﴿حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ﴾

کنز العمال میں ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ شمس الدین بن القماحؒ کے ایک مجموعہ احادیث میں جواُن کے استاذ ابو العباس مستغفریؒ کی روایات کا مجموعہ تھا۔ خوداُن کے قلم سے لکھا ہوا پایا ہے کہ میں امام ابو حامد مصریؒ سے علم حاصل کرنے کی طلب میں مصر حاضر ہوا، اور میں نے اُن سے حضرت خالد بن ولیدؓ کی حدیث دریافت کی تو مجھے ایک سال بھر کے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ تعمیل کے بعد پھر حاضر ہوا تو انہوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ تک اپنے استادوں کی سند سے مجھے یہ حدیث سنائی، فرمایا :

جاء رجل الی النبی ﷺ فقال انی سائلک عما فی الدنیا والآخرة فقال له سل عما بد الک. قال یانبی الله احب ان اکون اعلم الناس قال اتق الله تکن اعلم الناس . فقال احب ان اکون اغنی الناس قال کن قانعا تکن اغنی الناس. قال احب ان اکون خیر الناس فقال خیر الناس من ینفع الناس فکن نافعا لهم . فقال احب ان اکون اعدل الناس قال احب للناس ما تحب لنفسک تکن اعدل الناس . فقال احب ان اکون اخص الناس الی الله تعالی قال اکثر ذکر الله تکن اخص العباد الی الله تعالی .

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا میں آپ سے دنیا وآخرت کی باتیں دریافت کرتا ہوں۔ فرمایا جو جی چاہے پوچھو۔ عرض کیا یا نبی اللہ میں چاہتا ہوں کہ سب لوگوں سے بڑا عالم ہو جاؤں۔ فرمایا خدا تعالیٰ سے ڈرا کرو اور ہر حکم پر عمل کرو تم سب سے بڑے عالم ہو جاؤ گے۔ عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ سب آدمیوں سے زیادہ غنی ہو جاؤں فرمایا قناعت کرو سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔ عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ سب زیادہ خیر والا ہو جاؤں فرمایا سب لوگوں سے خیر والا وہ ہے جو سب کو نفع پہنچائے تو تم سب کو فائدہ پہنچانے والے بنو۔ عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ سب سے زیادہ عدل وانصاف والا ہو جاؤں فرمایا تم سب لوگوں کے لیے وہ پسند کیا کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تم سب سے زیادہ عدل وانصاف والے ہو جاؤ گے۔

فقال احب ان اکون من المحسنین قال اعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک. قال احب ان یکمل ایمانی فقال حسن خلقک یکمل ایمانک. فقال احب ان اکون من المطیعین قال ادّ فرائض اللّٰہ تکن مطیعا.فقال احب ان القی اللّٰہ نقیا من الذنوب قال اغتسل من الجنابۃ متطھرا تلق اللّٰہ یوم القیامۃ وما علیک ذنب . فقال احب ان احشر یوم القیامۃ فی النور قال لا تظلم احد تحشر یوم القیامۃ فی النور . قال احب ان یرحمنی ربی قال ارحم نفسک و ارحم خلق اللّٰہ یرحمک اللّٰہ . قال احب ان تقل ذنوبی قال استغفر اللّٰہ تقل ذنوبک . قال احب ان اکون اکرم الناس قال لا تشکون اللّٰہ الی الخلق تکن اکرم الناس فقال احب ان یوسع علی فی الرزق قال دم علی الطھارۃ یوسع علیک فی الرزق.

عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے بڑھ کر خاص بندوں میں ہو جاؤں فرمایا اللہ کا ذکر بہت زیادہ کروتم اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے بڑھ کر خاص بندے ہو جاؤ گے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں بہترین عبادت گزاروں میں سے ہو جاؤں فرمایا اللہ کی عبادت ایسے کیا کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو کیونکہ تم اگر نہیں دیکھ سکتے ہو تو وہ تو تم کو دیکھ رہے ہیں ۔عرض کیا میں چاہتا ہوں میرا ایمان مکمل ہو جائے فرمایا اپنے اخلاق کو عمدہ کرلو تمہارا ایمان مکمل ہو جائے گا ۔عرض کیا میں چاہتا ہوں اللہ کے فرمانبرداروں میں ہو جاؤں فرمایا اللہ تعالیٰ کی تمام فرض کی ہوئی باتوں کو ادا کیا کرو فرمانبردار ہو جاؤ گے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے یہاں پاک صاف ہو کر حاضر ہوں فرمایا جنابت کے بعد غسل خوب صفائی سے کیا کروتم قیامت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اسطرح حاضر ہوگے کہ تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔عرض کیا میں چاہتا ہوں قیامت کے دن نور میں لپٹ کر حاضر کیا جاؤں فرمایا تم کسی پر ظلم نہ کرنا قیامت کے دن نور میں محشور ہوگے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں میرا رب مجھ پر رحم فرمائے فرمایا اپنی ذات پر رحم کیا کرو اور اللہ کی کل مخلوق پر رحم کیا کرو اللہ تم پر رحم کریں گے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں میرے گناہ کم ہو جائیں فرمایا اللہ سے گناہوں کی مغفرت مانگا کرو تمہارے گناہ کم ہو جائیں گے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں سب لوگوں سے بڑا بزرگ ہو جاؤں فرمایا تم اللہ کی شکایت مخلوقات کے سامنے نہ کیا کروتم سب سے بڑے بزرگ ہو جاؤ گے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں مجھ پر رزق میں کشائش کردی جائے فرمایا

قال احب ان اکون من احباء اللّٰہ ورسولہ قال احب مااحب اللّٰہ ورسولہ و ابغض ماابغض اللّٰہ ورسولہ . قال اُحب ان اکون اٰمناً من سخط اللّٰہ قال لا تغضب علٰی احدٍ تامن غضب اللّٰہ وسخط . قال احب ان تستجاب دعوتی قال اجتنب الحرام تستجب دعوتک. قال احب ان لا یفضحنی اللّٰہ علٰی رء وس الاشھاد قال احفظ فرجک کیلا تفتضح علٰی رءُ وس الاشھاد . قال احب ان یّستر اللّٰہ علیّ عیوبی قال استر عیوب اخوانک یستر اللّٰہ علیک عیوبک . قال ما الذی یمحوعنی الخطایا قال الدموع والخضوع والامراض . قال ایّ حسنۃٍ افضل عند اللّٰہ قال حسن الخلق والتواضع والصبر علی البلیّۃ والرّضآ بالقضاء . قال ایّ سیّۃٍ اعظم عند اللّٰہ قال سوءُ الخلق والشح المطاع . قال ماالذی یسکن غضب الرّحمٰن قال اخفاءُ الصدقۃ وصلۃ الرّحم .قال ما الذی یطفی نار جھنم قال الصوم .

ہمیشہ وضو سے رہو رزق میں کشائش کردی جائیگی۔عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اللہ اور اُس کے رسول کے دوستوں میں ہو جاؤں فرمایا تم دوست رکھو ہر اُس چیز کو جس کو اللہ اور اُس کے رسول نے دوست رکھا ہے اور بغض رکھو ہر اُس سے جس سے اللہ و رسول نے بغض رکھا ہے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے غصہ سے مامون ہو جاؤں فرمایا تم کسی پر (بیجا)غصہ نہ کرو اللہ کے غصہ اور غضب سے مامون رہو گے۔عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ میری دُعائیں قبول کی جائیں فرمایا حرام سے بچ جاؤ تمہاری دعائیں قبول ہوا کریں گی۔عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے مجھے رُسوا نہ کریں قیامت کے دن،فرمایا اپنی شرم گاہ کو روک رکھو تا کہ تم سب لوگوں کے سامنے رُسوا نہ ہو۔عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے عیب چھپالیں فرمایا تم اپنے بھائیوں کے عیبوں کو چھپاؤ اللہ تمہارے عیبوں کو چھپالیں گے۔عرض کیا وہ کیا چیز ہے جو مجھ سے خطائیں مٹادے،فرمایا آنسو،عاجزی اور بیماریاں۔ عرض کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سی نیکی سب سے افضل ہے فرمایا اچھی عادت،تواضع،مصائب پر صبر اور ہر حکمِ الٰہی پر راضی رہنا۔عرض کیا اللہ کے نزدیک کون سا گناہ بڑا ہے فرمایا بری عادت اور بخیلی جس پر عمل کیا جائے۔عرض کیا وہ کیا چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے غصہ کو روک دے فرمایا چھپا کر خیرات کرنا اور قرابت داروں سے سلوک کرنا۔عرض کیا وہ کیا چیز ہے جو دوزخ کی آگ کو بجھادے فرمایا روزہ۔

اخلاقِ نبوت ﷺ کی چند جھلکیاں

﴿ مولانا محمد سلمان صاحب منصور پوری ﴾

اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفی ﷺ کو تمام کائنات میں سب سے اعلیٰ اور کامل اخلاقِ فاضلہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے شاندار اخلاق اور کردار سے دنیا کو انسانیت کا درس دیا، ظلم و عداوت، بربریت، بے حیائی اور بدکرداری کی تاریک فضاؤں میں آپ ﷺ نے عدل وانصاف، رأفت ورحمت، عفت وعصمت، پاکیزگی اور پاکبازی اور اخلاق ومروت کی ایسی شاندار تعلیمات پیش کیں کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں، ظلم وبربریت کی مہیب گھٹائیں ھباء اً منثورا ہوگئیں اور سارا عالم آپ کے صاف ستھرے کردار کی روشنی سے منور ہوگیا۔ یہی آپ کی بعثت کا اہم ترین مقصد تھا، خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

ان اللّٰہ بعثنی لاتمم حسن الاخلاق (مؤطا امام مالک ، کتاب حسن الخلق ، ۵۶۸)	بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے مبعوث فرمایا ہے تاکہ میں عمدہ اور شاندار اخلاق کو مکمل کردوں۔

اسی بنا پر قرآن کریم میں آپ ﷺ کا تعارف اس طرح کرایا گیا :

وانک لعلٰی خُلقٍ عظیم (القلم ۴)	اور بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں

نیز آپ کی پوری حیات طیبہ قرآنِ مقدس کی اخلاقی تعلیمات کی عملی تفسیر تھی، چنانچہ جب حضرات صحابہؓ نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاقِ فاضلہ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا : کان خلقه القرآن (مسلم شریف، حدیث : ۷۴۶) یعنی آپ کے اخلاق فاضلہ قرآن مقدس کی روشن تعلیمات ہی کا عکس جمیل تھے۔

جامع الاخلاق :

۴۰ سال کی عمر مبارک میں جب آپ ﷺ پر غارِ حراء میں پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی اور اس موقع پر پیش آمدہ صورت حال سے آپ ﷺ فطری طور پر متاثر ہوکر گھر تشریف لائے اور سارا واقعہ اپنی حرمِ محترم اُم المؤمنین سیّدنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کمالِ فراست کا ثبوت دیا اور آپ کو تسلی دینے کے لیے آپ کے شاندار اخلاقِ فاضلہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا :

''ہرگز نہیں ! آپ خوش خبری قبول فرمائیے، قسم بخدا ! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رُسوانہ فرمائے گا، اللہ کی قسم ! آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں، سچ بولتے ہیں، مصیبت زدہ کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، لاچاروں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور ناگہانی حادثات میں متاثرین کی مدد فرماتے ہیں''۔
(مسلم شریف ۱/ ۸۸)

اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کے یہ الفاظ بتارہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی طبیعت ہی اخلاقِ حسنہ کے سانچہ میں ڈھالی گئی تھی اور فطری طور پر آپ اخلاقِ فاضلہ کا پیکر تھے، صلی اللّٰہ علیہ الف الف مرۃ۔

انسانیت کے نجات دہندہ :

جب مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر بعض حضرات صحابہ ؓ نے پیغمبر علیہ السلام کی اجازت سے مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مشرکین نے انھیں واپس لانے کے لیے اپنا ایک سفارتی وفد حبشہ کے بادشاہ ''اصحمہ نجاشی'' کے پاس بھیجا جس نے بادشاہ سے ملاقات کرکے مہاجرین صحابہ ؓ کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس موقع پر نجاشی نے تحقیقِ حال کے لیے صحابہ ؓ کو اپنے دربار میں بلایا اور اُن سے سوال کیا کہ آخر تم لوگوں نے اپنا دین کیوں تبدیل کیا ؟ اور اگر تبدیل ہی کرنا تھا تو تم یہودی یا نصرانی کیوں نہیں بنے ؟ تم نے حضرت محمد ﷺ ہی کو اپنا رہنما کیوں بنایا ؟ تو جواب میں حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ نے نہایت قوت سے پیغمبر علیہ السلام کی شاندار اخلاقی تعلیمات کا تعارف اس طرح کرایا :

''جنابِ بادشاہ ! بات یہ ہے کہ ہم لوگ شرک پر جمے ہوئے تھے، ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے اور مردار کھایا کرتے تھے اور پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، اور ہم لوگ حرام کاموں مثلاً قتل وغارت گری وغیرہ کو حلال سمجھتے تھے۔ ہمارے اندر سے حلال وحرام کا تصور مٹ چکا تھا۔ ان سنگین اخلاقی حالات میں اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے ہی قبیلہ میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا جس کی وفاداری، سچائی اور امانت ودیانت سے ہم واقف ہیں چنانچہ انھوں نے ہمیں اللہ رب العالمین کی طرف آنے کی دعوت دی تاکہ ہم اللہ کی وحدانیت پر یقین کریں اور صرف اُسی کی عبادت کیا کریں اور ہم اِن پتھروں اور بتوں کی پوجا کرنا چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد پوجا کرتے تھے، اور اس نبی نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرنے، پڑوسیوں پر احسان کرنے اور حرام کاموں اور قتل وقتال سے بچنے کا حکم دیا اور ہمیں بے حیائی کے کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال ہڑپنے اور پاکباز عورتوں پر بدی کی تہمت لگانے سے منع فرمایا، اور ہمیں

اللہ کی عبادت کرنے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانے ، اور نماز ، زکوۃ اور روزے کا حکم فرمایا''۔(البدایۃ والنہایہ ۳/۸۰،۸۱)

سیّدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ شاندار تعارفی کلمات سے آنحضرت ﷺ کے اخلاقی مقام کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سراپا شفقت :

آنحضرت ﷺ سراپا شفیق اور مہربان تھے۔ عام طور پر لوگ اپنے خدام اور ملازمین کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن پیغمبر علیہ السلام کا اپنے خدام کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ خادمِ رسول سیّدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زبانی سُنیے ،فرماتے ہیں :

''میں نے پیغمبر علیہ السلام کی دس سال تک خدمت کا شرف حاصل کیا،قسم بخدا! اِس عرصہ میں کبھی آپ نے مجھے ''اُف'' تک نہیں کہا حتی کہ یہ بھی نہیں کہا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا؟ اور یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا؟'' (مسلم شریف ۲/۲۵۳)

اسی طرح آدمی جب بڑا ہو جاتا ہے تو وہ عموماً دوسروں کے بچوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا مگر پیغمبر علیہ السلام سب بچوں سے شفقت کا معاملہ فرماتے تھے،خود اُن کو سلام کرنے میں پہل فرماتے اور اُن کے چہروں اور سروں پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

''میں نے ایک دن فجر کی نماز پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ ادا کی پھر آپ اپنے دولت خانہ کی طرف تشریف لے چلے تو راستہ میں بچوں نے آپ کا استقبال کیا تو آپ نے ایک ایک بچہ کے رُخسار پر پیار کا ہاتھ پھیرا اور خود میرے رُخساروں پر بھی ہاتھ رکھا تو میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا کہ ابھی آپ نے دست مبارک کسی عطر فروش کی ڈبیا سے نکالا ہے''۔(مسلم شریف ۲/۲۵۶)

ظاہر ہے کہ آپ کے اس برتاؤ کی وجہ سے اُن بچوں کے دلوں میں پیغمبر علیہ السلام کی محبت کس قدر جاگزیں ہوتی ہوگی اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ صلی اللّٰہ علیہ الف الف مرۃ۔

منبع جود و سخا :

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ اعلیٰ درجہ کے سخی تھے،اور رمضان المبارک میں تو اس سخاوت کا ٹھکانا نہیں رہتا

تھا گویا کہ سخاوت کی پُر لطف ہوائیں چل رہی ہوں۔ کبھی آپ نے کسی سائل کو "نہیں" کہہ کر محروم نہیں فرمایا (مسلم شریف ۲/۲۵۳)۔ بعض مرتبہ اگر اپنے پاس دینے کو نہ ہوا تو قرض لے کر سائل کی ضرورت پوری فرمائی (مکارم الاخلاق ۲۵۴)۔ متعدد مرتبہ ایسے واقعات پیش آئے کہ بعض دیہاتیوں نے آپ کی چادر پکڑ کر کھینچ لی اور آپ سے عطا کا مطالبہ کیا آپ نے اس نامناسب طرزِ عمل کے باوجود انھیں اپنی عطا سے محروم نہیں کیا بلکہ ان کے مطالبہ کو پورا فرمایا (مکارم الاخلاق ۲۴۸)

اور ایک مرتبہ ایک نومسلم شخص کو اس قدر بکریاں عطا فرمائیں کہ سارا میدان بکریوں سے بھر گیا، اُس نومسلم نے اپنی قوم میں جا کر کہا کہ اسلام کے آؤ! اس لیے کہ پیغمبر علیہ السلام کی عطا اس قدر ہے کہ بس زندگی بھر فقر و فاقہ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ (مسلم شریف ۲/۲۵۳، الترغیب والترہیب للیافعی ۸۷)

پیکرِ شرم و حیا :

سرورِ کائنات فخرِ دو عالم ﷺ نہایت اعلیٰ درجہ کے باحیا شخص تھے بلکہ یوں کہیے کہ آپ کو صفتِ حیا کا مبلغ بنا کر ہی اللہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ آپ نے شرم و حیا کو اسلام کی امتیازی خوبی قرار دیا ہے (شعب الایمان ۶/۱۳۶) اور اس صف کو ایمان و اسلام کا لازم بتایا ہے (شعب الایمان ۶/۱۴۰) چنانچہ خود آپ کی زندگی شرم و حیا کا مقدس عنوان تھی۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ :

> "پیغمبر علیہ السلام کنواری نئی نویلی دلہن سے بھی زیادہ شرم و حیا سے متصف تھے اور جب آپ کو کسی بات پر ناگواری ہوتی تو ہمیں آپ کا چہرہ دیکھ کر ہی اس کا اندازہ ہو جایا کرتا تھا۔ (مسلم شریف ۲/۲۵۵) صلی اللّٰہ علیہ الف الف مرۃ۔

رحمتِ عالم :

چشمِ فلک سے کبھی وہ اندوہناک منظر اوجھل نہیں ہو سکتا جب طائف کی سرزمین پر محبوب رب العالمین کے جسم اطہر (فداہ ابی و امی) کو لہولہان کیا جا رہا تھا، اوباش لڑکوں اور غنڈوں کا ٹولہ مجسم رحمت عالم (ﷺ) کے درپے آزار تھا، پوشاک مبارک اور نعلین شریفین خون سے تربتر تھے۔ ایسے میں دل کے اندر جتنے بھی انتقامی جذبات آتے کم ہی کم تھے لیکن قربان جائیے رحمۃ للعالمین ﷺ پر کہ ان گستاخوں، ظالموں اور بدکرداروں کے بارے میں جوابی کارروائی تو درکنار کوئی بددعائیہ جملہ بھی زبان پر نہ لائے حتیٰ کہ جب پہاڑوں پر مامور فرشتہ نے دست بستہ آ کر عرض کیا کہ حضرت! اگر حکم ہو تو ابھی اِن گستاخ اہلِ طائف کو انہی دونوں پہاڑوں کو ملا کر کچل دیا جائے اور ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے تو پیغمبر علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ دنیائے انسانیت کی تاریخ میں لعل و گوہر بن کر ثبت ہو گیا، آپ گویا ہوئے :

''(میں اِن کی تباہی نہیں چاہتا) بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن لوگوں کی نسلوں میں ایسے افراد پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دیں گے۔'' (بخاری شریف، مسلم شریف الروض الانف ۲/۲۳۵)

اللہ اکبر! کیا شانِ رحمت ہے جس کا کوئی ذرہ بھی دوسری جگہ ملنا محال ہے، اور پھر یہی شان رحمت ہر جگہ آپ کی زندگی میں نمایاں رہی حتی کہ مدینہ منورہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی ہجرت کے بعد منافقین نے کس قدر ایذا پہنچائی مگر آپ اپنی شاندار رحمت سے سب برداشت فرماتے رہے۔

دشمنوں کے ساتھ عفوودرگزر :

فتح مکہ دنیا کی تاریخ کا وہ یادگار دن ہے جب رحمتِ عالم فخر دو عالم ﷺ کی طرف سے دشمنوں کے عفوودرگزر کا وہ عظیم الشان نمونہ پیش کیا گیا کہ رہتی دنیا تک کوئی اِس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا۔ ذرا غور کریں! یہ مکہ کونسی جگہ تھی؟ اور اس جگہ کے باشندوں کی کیا تاریخ رہی تھی؟ یہی وہ لوگ تھے اور یہی وہ جگہ تھی جہاں پیغمبر علیہ السلام کے ساتھیوں پر مسلسل ۱۳ سال تک ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے تھے۔ یہیں پیغمبر علیہ السلام کے اُوپر نماز کی حالت میں اُونٹ کا بدبودار اوجھ رکھا گیا آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے، یہیں آپ کے قتل کے منصوبے بنائے گئے، اسی سرزمین پر ابوبکرؓ کو لہولہان کیا گیا۔ بلال حبشیؓ، عمار بن یاسرؓ، صہیب رومیؓ، ابوذر غفاریؓ، خبیبؓ اور حضرت سمیہؓ جیسے مخلص مسلمانوں کو نہایت درندگی کے ساتھ تختۂ مشق بنایا گیا، اور مکہ کے یہی لوگ تھے جنہوں نے مدینہ منورہ پر بار بار چڑھائی کی تھی اور انھوں نے ہی اپنے ہاتھوں صلح حدیبیہ کی شرئط کو پامال کیا تھا۔ آج جب جانثارانِ نبوت کے ہاتھوں مکہ کے فتح کرنے کا وقت آرہا تھا تو ان ظالموں کے لیے معافی کے دروازے دنیا کے دستور کے مطابق بند ہوجانے چاہئیں تھے اور انہیں چن چن کر ٹھکانے لگادیا جانا چاہیے تھا مگر دنیا کا دستور اور دنیادار بادشاہوں کا طریقہ کچھ بھی رہا ہو، سرورِ کونین اور شاہِ دوجہاں رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اِس موقع پر جس دستور کو پیش کرکے دنیا کو حیرت زدہ کردیا وہ یہ تھا کہ جب آپ کو فتح مکہ کے موقع پر بعض پرجوش صحابہؓ کی طرف سے یہ کلمات پہنچے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ **الیوم یوم الملحمۃ** (آج تو گوشت کاٹنے کا دن ہے) یعنی ان کا جذبۂ انتقام جوش مار رہا ہے اور وہ آج مشرکین مکہ کو اُن کی اوقات بتادیں گے تو پیغمبر علیہ السلام نے اس جملہ پر ناگواری ظاہر فرمائی اور اعلان کیا کہ :

''آج (گوشت کاٹنے کا دن نہیں، بلکہ) وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو مزید عظمت عطاء فرمائے گا اور آج کے دن کعبہ کو عزت کا لباس پہنایا جائے گا۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۳۰۳)

پھر آپ نے صحابہؓ کو ہدایت کی کہ وہ حملہ کرنے میں ابتداء نہ کریں بلکہ صرف دفاعی پوزیشن اختیار کریں اور پھر رحمت کو اس قدر جوش ہوا کہ اعلان کردیا کہ :

''جو شخص سردار مکہ ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن میں ہے جو حرم مکہ میں پناہ لے لے وہ امن میں ہے اور جو ہتھیار پھینک کر اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے وہ بھی امن میں ہے''۔
(البدایہ والنہایہ ۴/۶۸۶)

ساری دنیا کو پہلے بھی چیلنج تھا، اب بھی چیلنج ہے اور قیامت تک چیلنج ہے کسی میں ہمت ہو تو اس عظیم الشان ''عفو ودرگزر'' کی کوئی جھلک بھی کہیں دکھلا دے۔ یقین اور سو فیصد یقین ہے کہ اس نمونہ کا ہلکا سا عکس بھی پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

بہترین شوہر :

عام طور پر جو لوگ گھر کے باہر بڑی عزت وعظمت کے حامل ہوتے ہیں اُن کا اپنے گھر والوں کے ساتھ معاملہ اچھا نہیں ہوتا۔ بے جا سختی، خشک مزاجی اور بات بات پر جھنجھلاہٹ کے مظاہرہ سے گھر والے عاجز رہتے ہیں اور ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ کب کیا بات ناگواری کی پیش آجائے اور گھر کا ماحول کشیدہ ہو جائے مگر ہمارے آقا ومولیٰ سرور عالم حضرت محمد مصطفی ﷺ کی خارجی زندگی جس طرح شاندار تھی اِس سے کہیں زیادہ آپ کی گھریلو اور معاشرتی زندگی شاندار تھی۔ خود پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد عالی ہے :

''تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کی نظر میں اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کی نظر میں سب سے اچھا ہوں''۔ (مجمع الزوائد ۴/۳۰۳)

آپ ﷺ باوجود انتہائی مشغولی کے اپنے گھر والوں کے حقوق مکمل طور پر ادا فرماتے حتی الامکان گھر والوں کی دلداری کا خیال فرماتے، ناگواری کی بات پر بھی نرمی سے پیش آتے، کبھی اپنے ساتھ دوسری جگہ دعوت میں بھی لے جاتے، وغیرہ وغیرہ۔ یہی وہ اسوۂ حسنہ ہے جس کو اپنانے کی اُمت کو تلقین کی گئی ہے۔

سب سے بڑے بہادر :

اسی کے ساتھ ساتھ آپ اعلیٰ درجہ کے بہادر اور نڈر تھے، جب بھی نازک اور خطرہ کے حالات پیش آئے آپ کی استقامت اور اطمینان کی کیفیت قابلِ دید تھی۔ کون بھلا سکتا ہے غزوۂ حنین کا منظر جب مخالفین کی طرف سے تیروں کی زبردست بوچھاڑ کی تاب نہ لاکر اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور ایک عجیب سراسیمگی کا عالم تھا مگر اس وقت بھی جناب

رسول اللہ ﷺ پوری شجاعت وبسالت کے ساتھ محاذ پر قائم تھے اور انا النبی لا کذب ، انا ابن عبدالمطلب (میں بلاشک نبی ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں) کا رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور صحابہؓ کو آواز دے کر یکبارگی حملہ کی تاکید فرمارہے تھے (مسلم شریف ۲/۱۰۰) تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا۔

اور آپ ﷺ کی یہی کیفیت تمام غزوات میں رہی ہے، جب بھی حالات دگرگوں ہوتے تو صحابہؓ کے لیے بچاؤ کا سہارا آپ ہی کی ذات ہوا کرتی تھی۔ (شمائل الرسول/۱۱۵)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مدینہ میں کسی آواز کی وجہ سے لوگوں میں گھبراہٹ پھیل گئی اور لوگ اس آواز کی طرف دوڑ پڑے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام گھوڑے کی خالی پیٹھ پر سوار اس طرف سے واپس آرہے ہیں اور آپ کے گلے میں تلوار لٹکی ہوئی ہے اور فرمارہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں ! گھبراؤ نہیں ! (یعنی دیکھ آیا کوئی خاص بات نہیں ہے) (مسلم شریف ۲/۲۵۲)۔

الغرض آپ ﷺ کی کس کس صفت کو بیان کیا جائے، بلاشبہ آپ مجمع الاخلاق اور خاتم الاخلاق تھے۔ ان عظیم اخلاق والا انسان نہ آپ سے پہلے کبھی پیدا ہوا نہ آپ کے بعد کبھی پیدا ہوگا، تمام اخلاق کا منتہا آپ ہی کی ذات اقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہ گار اور سیاہ کار اُمتیوں کو بھی آپ کے مبارک اخلاق کا کچھ حصہ اپنی رحمت سے عطا فرمادے اور اپنی رضاء کامل سے نوازدے۔ آمین۔ صلی اللہ علیہ الف الف مرة . صلی اللہ علیہ الف الف مرة.

☆☆☆☆☆ بشکریہ ندائے شاہی نعت النبی نمبر ☆☆☆☆☆

جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس

jmj786_56@hotmail.com

علماء اہلِ سنت والجماعت دیوبند اور عصر ہذا کے معتزلہ کے مابین فاصلہ

﴿ مولانا ابو احمد نور محمد قادری تونسوی ﴾

قارئین کرام! گزارش ہے کہ فرقہ مماتیہ عصر ہذا کے معتزلہ جو کہ عموماً اپنے آپ کو''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، درجنوں مسائل وعقائد میں علماء اہلِ سنت والجماعت دیوبند سے اختلاف رائے رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو علماء دیوبند کے مسلک میں منسلک رہنے کے لیے اپنی تقریروں، تحریروں اور مجلسوں میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں کیونکہ اِسی نام سے اُن کے باطل تفردات اور غلط نظریات کی خوب نشوونما ہوتی ہے۔ درحقیقت اِسی نام پر جی رہے ہیں حالانکہ اپنے مخصوص عقائد ومسائل کی وجہ سے یہ لوگ علماء اہلِ حق کا صراط مستقیم چھوڑ چکے ہیں اور اپنے اکابر کے مسلکِ حق کو خیر باد کہہ چکے ہیں اور خود علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم بھی ان جیسے نظریات کے حاملین کو اہلِ سنت والجماعت سے خارج کر چکے ہیں اور اتنے سارے اختلافات وفروق کی موجودگی میں اپنے آپ کو زبردستی دیوبندی کہلوانا اور دیوبند کے نام پر قبضہ جمانا دھوکہ، تلبیس اور خیانت سے کم نہیں ہے، اب درمیانی فاصلہ ملاحظہ فرمائیے :

عقائد علماءِ اہلِ سنت والجماعت دیوبند		عقائد جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ
(۱) قبر زمین کے اُس حصہ کو کہتے ہیں جس میں مردہ جسد کو دفن کیا جاتا ہے، خاک وراکھ شدہ جسد اور پرندوں، درندوں کا خوردہ جسد بھی بالآخر زمین میں جاملتا ہے الغرض جسد کا مستقر قبر کہلاتا ہے۔		(۱) زمین کا وہ حصہ جس میں مُردہ جسد کو دفن کیا جاتا ہے یہ قبر نہیں بلکہ یہ تو گڑھا ہے، قبر جسد کے مستقر کو نہیں بلکہ رُوح کے مستقر کو کہتے ہیں۔
(۲) اِس زمین والی قبر میں رُوح کا اعادہ ہوتا ہے میت کا حساب لیا جاتا ہے تین سوال کیے جاتے ہیں بعداز سوال رُوح کا جسد کے اجزاء اصلیہ سے تعلق رہتا ہے جسکی وجہ سے جسد رنج وراحت اور دکھ سکھ میں		(۲) اس زمینی قبر میں رُوح کا اعادہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اِس میں حساب وکتاب اور سوال وجواب ہوتا ہے اور نہ ہی رُوح کا جسد عنصری سے تعلق رہتا ہے اور نہ ہی یہ جسد رنج والم اور دکھ سکھ کو محسوس کرتا ہے،

شریک رہتا ہے۔ خول جسد جس شکل میں بھی متخیل ہو جائے، مقصد یہ ہے کہ عالم قبر وبرزخ کی ساری کارروائی رُوح اور جسد عنصری دونوں پر وارد ہوتی ہے چونکہ غیب کی چیز ہے اسلیے ہر ایک کو نظر نہیں آتی۔		قبروں میں کچھ بھی نہیں ہوتا بلکہ جزا وسزا کی یہ ساری کارروائی رُوح کے ساتھ ہوتی ہے اور رُوح کو ایک اور جسد مہیا کیا جاتا ہے اسی پر جزا وسزا وارد ہوتی ہے۔
(۳) حضور اکرم ﷺ مع دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبور شریف میں مخصوص قسم کی حیات سے فائز ہیں جو شخص حضور اکرم ﷺ کی مزارِ اقدس پر جا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے، آپ بہ نفس نفیس سنتے ہیں اور جواب مرحمت فرماتے ہیں اور دُور سے پڑھا ہوا درود وسلام بذریعہ ملائکہ آپ تک پہنچایا جاتا ہے۔		(۳) حضور اکرم ﷺ سمیت تمام انبیاء کرام کو اپنی قبور میں کسی قسم کی حیات حاصل نہیں ہے اور نہ ہی اُن کے ارواح کو ان کی قبروں کے ساتھ کوئی تعلق ہے، عند القبر الشریف آپ ﷺ اُمت کے سلام کو نہیں سنتے اور نہ ہی دُور والا درود شریف آپ کی ذات اقدس پر پیش کیا جاتا ہے۔
(۴) قبر شریف میں حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر اُمت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔		(۴) آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر عرض اعمال نہیں ہوتا۔
(۵) حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا افضل القربات اور اعظم السعادات میں سے ہے۔		(۵) حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔
(۶) بہت سے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے مزارِ اقدس پر حاضری دی اور سلام پڑھے۔		(۶) سوائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے کسی صحابی سے مزارِ اقدس پر حاضری دینا اور سلام پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

(۷) توسل بذواتِ الانبیاء والاولیاء ثابت اور جائز ہے۔		(۷) کسی کی ذات کا وسیلہ دینا ناجائز بلکہ شرک ہے۔
(۸) ہر مسئلہ کی تحقیق میں سلف صالحین کے فہم کو مشعلِ راہ بنایا جائے، قرآن وحدیث کی جو تشریحات اکابر علماء اہلِ سنت والجماعت سے منقول ہیں ان پر اعتماد کیا ہے۔		(۸) یہ لوگ اپنے مخصوص نظریات کو ثابت کرتے وقت سلف صالحین کی بیان کردہ تشریحات کو پس پشت ڈال کر براہ راست قرآن و حدیث سے استدلال کرنے لگتے ہیں۔
(۹) فروعی اور غیر ضروری مسائل میں غلو اور تشدد نہیں کرتے بلکہ اعتدال کی راہ چلتے ہیں۔		(۹) ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں تشدد اور غلو کرتے ہیں حتّٰی کہ معمولی اختلاف میں شرک و کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں۔
(۱۰) آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ میں اگر بظاہر تعارض نظر آئے تو سب سے پہلے تطبیق کی کوشش کرتے ہیں۔		(۱۰) یہ لوگ ظاہری تعارض کو دیکھ کر احادیثِ صحیحہ کو رد کر دیتے بلکہ اُن کو جھٹلا دیتے ہیں۔
(۱۱) تعویذاتِ قرآنیہ وادعیہ ماثورہ جائز ہیں بشرطیکہ اُن کا ادب واحترام قائم رکھا جائے۔		(۱۱) اشاعۃ التوحید والسنہ کے بعض نام لیوا تعویذاتِ قرآنیہ کو بھی شرک کہتے ہیں۔
(۱۲) امام مہدی علیہ السلام کی آمد احادیث سے ثابت ہے۔		(۱۲) اشاعۃ التوحید والسنہ کے بعض افراد امام مہدی کی آمد کا انکار کرتے ہیں۔
(۱۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی اور قیامت سے پہلے ان کا نزول الی الارض حق اور سچ ہے بلکہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔		(۱۳) بعض مماتی لوگ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہو چکے ہیں اور کچھ منکر ہوتے چلے جا رہے ہیں مثلاً ابوالخیر اسدی وغیرہ۔

(۲۰) جو شخص مدینہ منورہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت کے لیے جا رہا ہے تو اُس کو یہ پیغام دینا صحیح ہے کہ مزار اطہر پر میری طرف سے سلام عرض کرنا اور اُس کو چاہیے کہ زیارت کے وقت سلام پہنچائے۔		(۲۰) یہ بھی جائز نہیں ہے۔
(۲۱) احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ پر جادو کا اثر ہوا جس کی وجہ سے آپ کو جسمانی طور پر تکلیف ہوئی۔		(۲۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے جسمانی اثرات کو بعض اشاعتی علماء نہیں مانتے۔
(۲۲) روضہ اطہر میں زمین کا جو حصہ حضور اکرم ﷺ کے جسدِ اقدس کو مس کیے ہوئے ہے وہ بیت اللہ اور عرش معلّٰی سے افضل ہے۔		(۲۲) آپ ﷺ کے جسد اطہر کو مس کرنے والا زمین کا حصہ ہے، بیت اللہ اور عرش معلّٰی سے افضل نہیں ہے۔
(۲۳) عالم قبر و برزخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس کا تعلق دنیا والے جسدِ اطہر سے ہے جبکہ کنہ وحقیقت اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور حیات دینوی کا یہی مطلب ہے یعنی حیات کا تعلق دنیا والے جسد کے ساتھ ہے، ویسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عالم برزخ میں ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ قبر کو حیاتِ برزخی کہنا بھی صحیح ہے۔		(۲۳) عالم برزخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحِ اقدس کو دنیا والے جسد کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں ہے بلکہ جسدِ اطہر ہر قسم کی حیات سے عاری وخالی ہے، ہاں جنت میں نور کا فور کا ایک اور جسد تیار کیا گیا ہے جو کہ دنیا والے جسد کے مشابہ و مشاکل ہے، آپ کی رُوحِ مبارک کو اس دوسرے جسد میں داخل کردیا گیا ہے، یہ ہے حیاتِ برزخی کا مطلب۔

(۱۴) سیّدنا امام حسین شہید مظلوم ہیں ان پر بغاوت کا الزام بہت بڑی زیادتی ہے۔		(۱۴) بعض اشاعتی و مماتی حضرت حسینؓ پر بغاوت کا الزام لگانے کا زور لگاتے ہیں
(۱۵) سیّدنا یوسفؑ کا نکاح بی بی زلیخا کے ساتھ تاریخی و تفسیری حیثیت سے ثابت ہے اگرچہ ایسے مسائل میں خاموشی احوط ہے۔		(۱۵) بعض اہلِ اشاعت صرف نکاح کا انکار نہیں بلکہ زلیخا کو گالیاں دیتے ہیں۔
(۱۶) حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے عقیدہ حیات النبی اور سماع النبی کے متعلق جو فیصلہ فرمایا تھا وہ فیصلہ کتاب وسنت کے مطابق ہے اور ایک سنی مسلمان کے لیے اس کو ماننا ضروری ہے، جو شخص اس شرعی فیصلہ کو نہ مانے وہ سنی دیوبندی نہیں ہے بلکہ مبتدع اور خارج از اہلِ سنت ہے۔		(۱۶) حضرت قاری صاحبؒ کا یہ فیصلہ درست نہیں ہے ، اِس کو ماننا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ اس فیصلہ سے اور فیصلہ کرنے والوں سے رفض کی بو آتی ہے اور اس سے منحرفین کو اہلِ سنت والجماعت سے خارج قرار دینا جسارت ہے۔
(۱۷) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ قبر کی حدیثیں صحیح ہیں۔ اسی طرح ان حضرات کے سماع عند القبر الشریف کی حدیثیں بھی صحیح ہیں۔		(۱۷) انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حیات وسماع کی حدیثیں صحیح نہیں ہیں بلکہ موضوع جعلی اور من گھڑت ہیں۔
(۱۸) سلامتی کی راہ یہ ہے کہ جمہور علماء کا اتباع کیا جائے۔		(۱۸) جمہور زنبور ہے۔
(۱۹) حضور اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے وقت استشفاع جائز ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زائر آپ ﷺ سے دعا و استغفار کی درخواست کرے۔		(۱۹) استشفاع جائز نہیں ہے۔

(۲۴) عالم برزخ زمانے کا نام ہے جو کہ موت سے لیکر قیامت تک کے وقت کو کہا جاتا ہے اور یہ زمانہ قبر سمیت مردے کے ہر مقام کو شامل ہے۔ قبر و برزخ میں کوئی تضاد و تنافی نہیں ہے بیک وقت ایک چیز پر ہی ان کا اطلاق ہوسکتا ہے یعنی ایک مردہ جسد قبر میں بھی ہے برزخ میں بھی ہے۔		(۲۴) برزخ کسی مخصوص مکان کا نام ہے جہاں ارواح رہتی ہیں۔ برزخ اور قبر میں تضاد اور تنافی ہے ایک سے دوسرے کی نفی ہوجاتی ہے یعنی جو مردہ قبر میں ہے وہ برزخ میں نہیں اور جو برزخ میں ہے وہ قبر میں نہیں۔
(۲۵) مردہ انسان اور اس کا مستقر یعنی قبر درحقیقت عالم برزخ کی چیزیں ہیں اگرچہ دنیا والوں کو نظر آ رہی ہیں۔		(۲۵) مردہ انسان اور اُس کی قبر دنیا کی چیزیں ہیں ان کو برزخ کی چیزیں کہنا صحیح نہیں ہے۔
(۲۶) انسان درحقیقت رُوح اور جسد عنصری کے مجموعہ کا نام ہے یہی احکام شریعت کا مکلف اور اللہ تعالیٰ کا مخاطب ہے۔ دنیا، قبر اور آخرت کی جزا و سزا کا یہ دونوں مورد بنتے ہیں۔		(۲۶) انسان صرف رُوح کو کہتے ہیں جسد عنصری صرف اور صرف آلہ کی حیثیت میں ہے جیسے تلوار، کلہاڑی وغیرہ، اس لیے قبر و برزخ کی جزا و سزا میں جسد شامل نہیں ہوتا۔
(۲۷) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ ان کی نوم ناقض وضو نہیں ہے۔		(۲۷) اہلِ اشاعت اس خصوصیت کا انکار کرتے ہیں۔
(۲۸) مسلکاً دیوبندی وہ ہے جو "المهند علی المفند" یعنی عقائد علماء دیوبند پر دستخط کرے کیونکہ یہ کتاب عقائد علماء دیوبند اہلسنت والجماعۃ کی دستاویز ہے، اس پر تمام اکابر علماء دیوبند و اولیاء دیوبند دستخط کر چکے ہیں۔		(۲۸) یہ لوگ اس کتاب پر دستخط کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں بلکہ اس کتاب کی حیثیت گرانے کی غرض سے قسم قسم کی باتیں کرتے ہیں، شبہات پیدا کرتے ہیں۔

(۲۹) حضور اکرم ﷺ کی قبرِ انور جنت کا باغ ہے۔		(۲۹) آپ ﷺ کی قبر مبارک جنت کا باغ نہیں ہے۔

قارئین کرام! اتنے سارے طویل وعریض اختلافات کے ہوتے ہوئے یہ کہہ دینا کہ علماء دیوبند اور اشاعۃ التوحید والسنۃ کے نظریات ایک ہی ہیں، بہت بڑی جسارت اور دُور از حقیقت بات ہے۔ فریقین کے یہ عقائد ونظریات بندہ عاجز نے ان حضرات کی تحریروں اور تقریروں سے معلوم کیے ہیں، ایک ایک نظریہ کو ثابت کرنے کی ذمہ داری میرے ذمہ ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ نصرت العلوم، گوجرانوالہ)

بقیہ : دعاء کی افادیت واہمیت

''لوگ اپنی نگاہیں آسمان کی طرف بوقتِ دُعا اُٹھانے سے باز آجائیں ورنہ اُن کی نگاہیں اُچک لی جائیں گی''۔

اور علامہ طحطاوی ص ۳۷۱ پر فرماتے ہیں :

"ویکرہ ان یرفع بصرہ الی السماءِ لما من ترک الادب وتوھم الجھۃ وقدنھی النبی صلی اللّٰہ علیہ السلام عن ذالک کما فی شرح الحصن الحصین".

''دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اُٹھانا مکروہ ہے اس لیے کہ ایک تو اس میں ترکِ ادب ہے اور نیز اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے ایک جہت کی تعیین کا ابہام بھی لازم آتا ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے بوقتِ دُعا آسمان کی طرف نگاہ اُٹھانے کو منع فرمایا ہے جیسا کہ حصن حصین کی شرح میں مذکور ہے''۔

(جاری ہے)

قسط : ۲

دعاء کی افادیت واہمیت

﴿ خطیبِ اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحبؒ ﴾

دُعا کے فوائد وثمرات :

دُعا اگر بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو جائے تو اِس سے بڑھ کر سعادت اور خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ تو بڑا ہی اعلیٰ مقام ہے۔ دعا بظاہر اگر قبول بھی نہ ہو تب بھی اپنے رب سے اِس بہانے مناجات اور سر گوشی کی جو نعمت حاصل ہو جاتی ہے وہ کیا کچھ کم سعادت ہے۔

دعاء کے فوائدِ جلیلہ سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ قلبِ انسانی کو اپنے مالک وخالق سے نسبت صحیح حاصل ہو جاتی ہے۔ اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ ارض وسما میں مدبرِ اُمور کون ہے۔

وہ جان جاتا ہے کہ اس کی جان کس کے قبضہ میں ہے۔ اس کا ایمان خدا حی وقیوم پر کامل ہو جاتا ہے۔ اس کا اعتماد قریب ومجیب کی ہستی پر مکمل ہو جاتا ہے۔ رب العالمین کے سمع، بصر اور علم وقدرت کی صفات پر اُس کا وثوق مستحکم ہو جاتا ہے۔ بندہ کو اپنی بے کسی بلکہ کل عالم کی درماندگی آشکارا ہو جاتی ہے۔ یہی وہ عرفان ہے جس سے بندہ خود اپنی قدر وقیمت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ معرفت جس سے اُس کے سامنے کچھ کچھ شانِ الوہیت جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ ہزار منفعتوں کی ایک منفعت ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے انبیاء اور فرشتے شب وروز ذکر، دعا اور تسبیح واستغفار کو اپنا ورد بنائے رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ انسان جسے دعا مانگنا آجائے، مبارک ہے وہ انسان جسے دعا مانگنے والوں کے زمرہ میں جگہ مل جائے۔ دعا کی منفعت خود لذت دعا ہے اور یہ وہ فائدے ہیں جو آغاز کار میں عطا فرمائے جاتے ہیں۔

پھر اس دعا کے نتیجے میں مومن بندے کو تسکینِ رُوح اور اطمینانِ قلب کی جو دولت حاصل ہوتی ہے اس کی برکتوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے: الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب (ترجمہ) سنو! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان وسکون سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ اور سکون قلب کی وہ دولت ہے جس کے لیے بھر پور خزانوں والے

سرمایہ دار اور وسیع اختیار رکھنے والے اربابِ اقتدار بھی ترستے ہیں لیکن یہ نعمت ملتی اُسی کو ہے جو ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور حُبِّ رسول کی دولت سے مالا مال ہو اللّٰھم اجعلنا منھم نیز دعا مانگنے کا عظیم فائدہ یہ ہے کہ دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ مانگتا ہے ان اللّٰہ یُحِبُّ الْمُلِحِینَ فِی الدُّعَاءِ

اے اللہ ہم کو اپنے دَر کا سوالی بنا دے اے ربِ کریم ہم کو مانگنا سکھلا دے

رُوحِ دُعاء :

دُعاء کے لُطف سے صحیح معنی میں انسان اُسی وقت آشنا ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے اُوپر وہی کیفیت طاری کر لے جسے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اِن لفظوں میں بیان کیا ہے :

" وروح الدعاء ان یری کل حول وقوۃٍ من اللّٰہ ویصیر کالمیت فی ید الغسال و کالتّمثال فی ید محرک التماثیل و یجد لذۃ المناجاۃ"۔ (حجۃ اللّٰہ البالغۃ صفحہ ۵۱ ج ۲)

" دعاء کی رُوح یہ ہے کہ دعا کرنے والا ہر قوت وحرکت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھے اور اُس کی قدرت وعظمت کے مقابلہ میں اپنے آپ کو اِس طرح بے کس اور بے بس سمجھے جیسے مُردہ غسال کے ہاتھوں میں یا بے جان صورتیں حرکت دینے والے کے قبضے میں ہوتی ہیں، پھر اس کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مناجات اور سرگوشی کی لذت وحلاوت اُسے حاصل ہوگی۔"

آدابِ دعاء :

معمولی دنیوی بادشاہوں بلکہ ان کے ماتحت حاکموں کے سامنے درخواست پیش کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ غلط طریقے پر مانگنے کا نتیجہ نہ صرف محرومی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات سائل حاکم کے عتاب کا شکار ہو جاتا ہے۔

مدارج السالکین ج ۲ ص ۳۹۱ پر علامہ ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں :

" وادب المرءِ عنوان سعادتہٖ وفلاحہٖ . وقلۃ الادبِ عنوان شقاوتہٖ وبوارہٖ وما استجلب خیر الدنیا والآخرۃ بمثل الادب ولا استجلب حرمانھا بمثل قلۃ الادب".

" آدمی کا باادب ہونا اس کی سعادت اور کامیابی کی علامت ہے اور بے ادب ہونا اس کی شقاوت

اور ہلاکت کی دلیل ہے اور دین، دنیا کی بھلائی کا حاصل ہونا ادب پر ہی موقوف ہے اور ان سے محرومی قلتِ ادب کے باعث ہی ہوتی ہے۔

ادب تاجیست از فضلِ الٰہی بنہ برسر برو ہر جاکہ خواہی

اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ احکم الحاکمین کے دربارِ عالیہ میں درخواست پیش کرنے کے آداب نہ ہوں چنانچہ علامہ ابن القیمؒ مدارج السالکین ج ۲ ص ۳۷۸ میں فرماتے ہیں :

" وتامل احوال الرسل صلوات اللّٰہ وسلامہ علیھم مع اللّٰہ وخطا بھم وسوالھم کیف کانت تجدھا کلھا مشحونہ بالادب قائمۃ بہ "۔

" اگر تو انبیاء علیہم السلام کے حالات اور اُن کی مناجات اور معروضات میں غور وفکر کرے گا کہ وہ جناب باری سبحانہ وتعالیٰ کے حضور میں کس انداز کے تھے تو سب کو انتہائی ادب سے متصف پائے گا "

اور ابن المجالس السنیہ شرح اربعین نوویہ ص ۵۷ میں علامہ شیخ احمد الفشنیؒ فرماتے ہیں :

" قال ابو علی الروذ باریؒ العبد یصل بادبہ الیٰ ربہ وبطاعتہ الی الجنۃ "۔

" ابو علی روزباریؒ فرماتے ہیں ادب کی وجہ سے بندہ خدا تعالیٰ تک پہنچتا ہے اور بندگی وطاعت کی بدولت جنت تک "۔

اور حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو نماز سے فراغت کے بعد میں نے اپنے پاؤں کو محراب میں دراز کر دیا تو غیب سے آواز آئی، کیا بادشاہوں کی مجالس میں بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے، تو میں نے عرض کیا کہ اس طرح ہر گز نہیں؛ چنانچہ اس کے بعد میں نے ساری زندگی پھر کبھی پاؤں اس طرح دراز نہیں کیا۔

اور نیز ایک عارف سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک بار حرم شریف میں اپنے پاؤں کو دراز کیا تو ایک خاتون نے مجھے ٹوکا اور کہا کہ ادب کے ساتھ بیٹھو ورنہ تمہارا نام مقربین کی فہرست سے کاٹ دیا جائے گا۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

بہر حال اس شہنشاہِ حقیقی کے دربارِ عالیہ کے بھی آداب ہیں (شرح اربعین للفشنی ص ۵۷، ۵۸) جو قرآنِ مجید واحادیثِ شریفہ میں بیان فرمادیے گئے ہیں۔

اب اس رسالہ حافلہ وعجالہ نافعہ میں چند آداب وشرائط بسلسلہ دعاء آئندہ اوراق میں آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ آپ ان کو ملحوظ فرما کر اپنے مقاصدِ دارین میں کامیابی سے ہمکنار ہوسکیں۔

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر ج ۲ ص ۳۱۱ میں فرماتے ہیں :

" قال ابن عطاءؒ ان للدعاء ارکانا و اجنحة واسبابا واوقاتا، فان وافق ارکانه قوی وان وافق اجنحته طارفی السماء وان وافق مواقیته فاز وان وافق اسبابه انجح".

"ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ دُعا کرنے والے کو چاہیے کہ دُعا کے ارکان اوراس کے بازوؤں اور اس کے اسباب اوراس کے خاص اوقات کوملحوظ رکھے تاکہ اُس کی دعا میں طاقت پرواز ہوکر دربارِ عالیہ میں پہنچنے کے بعد مژدہ اجابت لاسکے"۔

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس دربندِ آں مباش کہ نشنید یا شنید

ادب ۱ :

" و حقه ان یستقبل القبلة "

"اور آدابِ دعاء سے ایک یہ ہے کہ دُعا قبلہ رُخ ہوکر مانگے"

تشریح : سمت قبلہ ایک جہت محترم ہے۔اس کے شرعی آداب ہیں جو اپنے مقام پر مذکور ہیں۔حضرت امام شعرانیؒ لواقح الانوار القدسیہ ص ۵۱۱ پر فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق **وحیثما کنتم فولوا وجوهکم شطرهٗ** کے عموم پر عمل کرتے ہوئے اپنی ہر مجلس میں قبلہ رُخ بیٹھنا چاہیے۔ہاں اگر مجلس میں دیگر افراد بھی موجود ہوں تو پھر اہل مجلس کے حقوق کا خیال کرتے ہوئے اُن کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھنا چاہیے۔

طبرانی میں باسنادِ حسن روایت ہے : **ان لکل شیٔ سیّدا وان سید المجالس قبال القبلة** (ترجمہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہر چیز کا ایک سردار ہوتا ہے اور نشستوں میں سب سے اچھی اور سردار نشست یہ ہے کہ انسان قبلہ رُخ ہوکر بیٹھے"۔نیز طبرانی کی ایک روایت میں ہے: **" ان لکل شیٔ شرفاً وان شرف المجالس ما استقبل به القبله".** (ترجمہ) "ہر چیز کے لیے ایک شرف ہے اور مجالس کا شرف قبلہ رُخ ہونے میں ہے"۔

اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ بھی امداد الفتاویٰ ص ۷۶ ج ۴ میں مقاصد حسنہ سے یہ احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ان روایات سے مستقبل قبلہ بیٹھنے کا ادب ثابت ہوتا ہے بلکہ اگر بعض طرق اعتبار سے ضعف بھی مان لیا جائے تب بھی فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف بھی کافی ہے۔

باقی دُعا کے وقت قبلہ رُخ ہونے کے متعلق زین الحلم شرح عین العلم ص ۱۰۲ ج ۱ میں ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں :

"روىٰ مسلمؒ عن جابرؓ انهٗ علیه السلام اتیٰ الموقف بعرفة واستقبل القبلة ولم

یزل یدعو حتی غربت الشمس"۔

"امام مسلمؒ نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ میدانِ عرفات میں تشریف لائے اور قبلہ رخ ہو کر دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا"۔

علامہ طحطاویؒ مراقی الفلاح کے حاشیہ میں نمازِ استسقاء کے سلسلۂ بیان میں فرماتے ہیں :

" ویقوم الامام مستقبل القبلة حال دعائہ لانہ افضل واقرب الاجابة"(طحطاوی ص ۳۰۱)

"اور امام بوقتِ دُعا قبلہ رُخ ہو کر کھڑا ہو کیونکہ قبلہ رُخ ہو کر کھڑے ہونا افضل بھی ہے اور دعا کی قبولیت کا باعث بھی"۔

(مزید تفصیل کے لیے تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۲۲۴ سورۃ اعراف ملاحظہ فرمائی جائے)

فائدہ : مجالس السنیہ شرح اربعین نوویہ علامہ شیخ احمد الفشنیؒ ص ۵۸ پر فرماتے ہیں :

" وقال بعضهم مافتح اللّٰہ علٰی ولی الا هو مستقبل القبلة "

"اور بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ولی پر کسی معرفت کے بھید کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو یہ اُسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ اُس کا رُخ قبلہ کی جانب ہو۔

" حکی ان رجلا علم ولدین القرآن علی السواء فکان احدهما یقرأ وهو مستقبل القبلة فحفظ القرآن قبل صاحبہ بسنة "۔

"بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے دو لڑکوں کو حفظِ قرآنِ مجید بیک وقت شروع کرایا تو ایک اُن میں سے قبلہ رُخ ہو کر یاد کیا کرتا تھا چنانچہ اس نے اپنے بھائی سے ایک سال پہلے ہی حفظ کرلیا"۔

تذییل : نماز میں قبلہ کا تعین کیوں ضروری ہوا؟ اور پھر بیت الحرام کو ہی قبلہ کیوں قرار دیا گیا؟ اس کا جواب مختصراً یہ ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں : (ا) قوتِ عقلیہ، جو مجردات و معقولات کا ادراک کرتی ہے۔ (ب) قوتِ خیالیہ، جو عالمِ اجسام میں تصرف کرتی ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ قوتِ خیالہ، قوتِ عقلیہ کی مقارنت و مصاحبت سے باز رہتی ہو۔ اسی لیے جب انسان کسی ایسے امر کا تصور کرنا چاہتا ہے جو محض عقلی ہو تو وہ اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنے ذہن میں اس امرِ عقلی کے لیے ایک صورتِ خیالیہ وضع کرے تاکہ وہ صورتِ خیالیہ مدرکہ اس معنے عقلی

کے ادراک کے لیے معین و مددگار ثابت ہو۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کی اس فطرت کا لحاظ فرماتے ہوئے اپنی عبادت کے لیے قبلہ متعین فرمایا اور اسے بمنزلہ دربارِ شاہی کے قرار دیا۔ پس نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا گویا دربارِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔ اور قراءت و تسبیحات بمنزلہ مدح وثناء شاہی ہیں۔ اور رکوع وسجود وقیام وقعود خدمتِ شاہی میں مشغول ہونے کی مانند ہیں۔

(۲) شریعتِ الٰہیہ کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی کامل اتحاد و اتفاق اور اُلفت و موافقت ہو۔ اور اس غرض کے لیے تمام مسلمانوں کے لیے ایک مرکز کا تعین ناگزیر تھا۔ اور قدرتی طور پر مسلمانوں کے لیے یہ مرکز بیت الحرام ہی قرار دیا جاسکتا تھا کیونکہ مکہ مکرمہ آنحضرت ﷺ کی ولادت گاہ ہے۔ خانہ کعبہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد اور اولین عبادت خانہ ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام اور پھر حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام نے اسی مقصد کے لیے تعمیر کیا تھا۔ پس یہ بالکل مناسب ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے افراد اور ملتِ حنیفیہ کے پیروؤں کے لیے اسی کو قبلہ قرار دیا گیا۔ (از افادات امام رازیؒ۔ ماخوذ از قاموس القرآن ص ۳۹۵)

نیز تعینِ قبلہ کے فلسفہ کو علامہ رشید رضا مصریؒ نے اپنی تفسیر المنار ص ۴۶۲، ۴۶۳ ج اول میں اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ طالبِ تفصیل وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

ادب ۲ :

" ویرفع یدیه حتی یری ما تحت ابطیه ضاماً کفیه جاعلاً بطنهما نحو السماءِ فهو مروی ". (عین العلم)

" اور آدابِ دُعا سے ایک ہے کہ دُعا کے وقت ہاتھوں کو باہم ملا کر اور ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کر کے اِس قدر اُونچے کرے کہ بغلوں کے نیچے کا حصہ دکھائی دینے لگے اور یہی (احادیث میں) مروی ہے"۔

تشریح : یہ امر محقق ہے کہ دعاء کے وقت ہاتھ اُٹھانا امر مسنون ہے۔ اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں :

۱۔ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ میدانِ عرفات میں تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کر آپ دعا کرتے رہے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔

۲۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ دعا میں اپنے ہاتھ اس قدر بلند کرتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی معلوم ہونے لگتی تھی۔ (متفق علیہ)

۳۔ ابوداؤد و ترمذی وغیرہ میں حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حیی اور سخی ہیں جب بندہ اُس کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اُسے خالی اور نامراد واپس کرتے شرم آتی ہے۔(زین الحلم شرح عین العلم ص۱۰۲ ج۱)

اور تعلیق الصبیح ص ۵۲ ج ۳ میں ہے کہ دعا کے اندر ہاتھ اُٹھانے کی سنت اولین و آخرین سے جاری چلی آرہی ہے اور اس کا فلسفہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور انتہائی عجز و ابتہال اور تضرع کا مظاہرہ کرنا دعا کے آداب میں سے ہے تو پسندیدہ بات یہی ہے کہ اخلاص کے ساتھ قولاً و فعلاً اپنے عجز و انکسار کا اظہار کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا اور ساتھ ساتھ اپنی احتیاج و مسکنت کا اعتراف کرنا ''تضرع قولی'' ہے اور اس کے ساتھ اللہ کی جناب میں دست سوال دراز کرنا ''تضرع فعلی'' ہے اور ان دونوں کے جمع ہونے سے اجابتِ دعا کی اُمید زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔

اور ملا علی قاریؒ شرح اربعین ص ۸۶ پر بیان فرماتے ہیں کہ بندے کا دعا کے وقت ہاتھ اُٹھانے سے بندہ کی ذلت و عاجزی اور انکساری و افتقار کا عجیب مظاہرہ ہوتا ہے۔

ہاتھ اُٹھانے کی ہیئت و کیفیت کا بیان

۱۔ دعاء میں ہاتھ کس قدر بلند کیے جائیں :

دونوں ہاتھوں کا اِس قدر اُونچا کیا جائے کہ سینے یا کندھوں کے مقابل ہو جائیں اور سینے کے قریب ہوں بلکہ سامنے کی سمت میں بڑھے ہوئے ہوں اور ہاتھوں کو اُٹھانے کا یہی اوسط درجہ ہے اور آنحضرت ﷺ دُعا کے وقت اکثر اپنے ہاتھوں کو اتنا ہی اُٹھاتے تھے۔ باقی جن احادیث سے ہاتھوں کو زیادہ اُوپر اُٹھانا معلوم ہوتا ہے تو یہ صورت بعض اوقات پر محمول ہے یعنی جب دعاء میں بہت ہی زیادہ استغراق، مبالغہ اور محویت منظور ہوتی تھی مثلاً استسقاء یا سخت آفات و مصائب کے وقت تو اُس موقع پر اپنے ہاتھوں کو اتنے اُٹھاتے تھے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی چنانچہ علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی ص ۱۷۳ پر فرماتے ہیں :

''وفی الحِصن الحصِین وشرحہٖ ان یرفعھما حذاءَ منکبیہٖ باسطاً کفیہ نحوالسماءِ لانھا قبلۃ الدعاءِ (۵۱) واما ماروی انہ کان یرفع یدیہ حتی یرٰی بیاض ابطیہ فمحمول علٰی بیان الجواز او علٰی حالۃ الاستسقاء ونحوھا من شدّۃ البلاءِ والمبالغۃ فی الدعاءِ''۔

اور اسی مقام پر علامہ طحطاوی بعض افاضل سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہاتھوں کو خواہ سینے تک اُٹھایا جائے

یا کندھوں تک دونوں صورتیں جائز ہیں اور ان میں معمولی تفاوت ہے۔ باقی علماء نے لکھا ہے کہ جس مقصد و مراد کے لیے دعا مانگی جارہی ہو وہ مقصد جتنا زیادہ اہم ہو، دعا کے وقت دونوں ہاتھ بھی اتنے ہی زیادہ اوپر اُٹھانے چاہئیں (تعلیق الصبیح ص۵۲ ج۳)۔

۲۔ کیا دُعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے یا کشادہ رکھا جائے :

علامہ طحطاوی نھر الفائق کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"وفی النھر من کیفیتہ المستحبۃ ان یکون بین الکفین فرجۃ وان قلت"

"یعنی ہاتھ اٹھانے کی مستحب کیفیت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی کسی قدر ہونی چاہیے خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو"۔

اور اس کے آگے علامہ موصوف حصن حصین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ دعاء کے آداب سے ایک یہ بھی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو باہم ملایا جائے اور اُنگلیوں کا رخ بجانب قبلہ ہونا چاہیے۔

"وفی شرح الحصن والظاھر ان من الادب ایضاًضم الیدین وتوجیہ اصابعھما نحو القبلۃ"۔

اور آگے فرماتے ہیں کہ ہاتھوں کا باہم ملانا افضل اور بہتر ہے اور اگر معمولی کشادگی رکھی جائے تو بھی جائز ہے اور امام شعرانی فی الواقح الانوار ص۲۹۷ پر فرماتے ہیں۔ آسمان کی طرف دعا کے وقت ہاتھ اُٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ دربار خداوندی سے معنوی عطیات حاصل کرنے کے لیے ہاتھ ایک ذریعہ ہیں۔ پس دونوں ہاتھوں کو باہم اس قدر ضم کیا جائے جس طرح پانی پینے والا اپنے دونوں ہاتھوں کو باہم ملاتا ہے۔

۳۔ کیا ہاتھ اُٹھاتے وقت ہتھیلیوں کا رُخ اپنے منہ کی طرف ہونا چاہیے یا آسمان کی طرف :

دعاء کے وقت ہاتھ اُٹھاتے ہوئے ہتھیلیوں کا رُخ آسمان کی طرف ہونا چاہیے اور ایک روایت میں جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ جب دُعا مانگتے تھے تو دونوں ہتھیلیاں ملا لیتے تھے اور اُن کا رُخ اپنے منہ کی طرف رکھتے تھے۔ (زین الحلم ص۱۰۲ ج۱)

تو اس کے متعلق ملا علی قاریؒ شرح اربعین نوویہ ص۸۶، ۸۷ پر لکھتے ہیں کہ:

"جاء ایضاً انہ رفع یدیہ وجعل ظھورھما الی جھۃ القبلۃ وجعل بطونھما مما یلیہ، لعلہ لبیان الجواز"۔

تو آپ نے اس طرح بیان جواز کے لیے کیا ہے۔

شبہ۔ دُعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھانے میں کیا حکمت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جہت سے منزہ ہیں۔

جواب ۱ : یہ امر تعبدی ہے یعنی سرکاری حکم کی تعمیل ہے جس طرح نماز کے اندر قبلہ رخ ہونا اور سجدہ کی حالت میں ناک اور پیشانی کا زمین پر رکھنا امر تعبدی ہے اور آسمان دعا کے لیے بمنزلہ قبلہ ہے۔

جواب ۲ : نیز جہت سماوی کو کئی وجوہ سے فضیلت حاصل ہے آسمان ہی مہبط رزق رحمت و برکت یعنی مہبط نزول باراں ہے اور اسی سے وحی نازل ہوتی رہی اور وہی ملاء الاعلیٰ کا مسکن ہے اور وہاں ہی بندوں کے اعمال اُٹھائے جاتے ہیں اور اسی میں جنت ہے جو مومن کی انتہائی مراد ہے اور دعا کے لیے بمنزلہ قبلہ کے ہے۔ (تعلیق الصبیح ملخصاً ص ۵۲ ج ۳)

۴۔ کیا دعا سیدھے ہاتھوں سے کرنی چاہیے یا اُلٹے ہاتھ بھی کرنی جائز ہے۔

دعا مانگتے وقت جب ہاتھوں کو اُٹھاؤ تو ہتھیلیوں کا رُخ آسمان کی طرف کرو جیسا کہ دعا کے وقت کا معمول ہے۔ ہاتھوں کو اُلٹ کر دعا نہ مانگو چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے :

"سلوا اللّٰہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم . واما ما ورد فی صحیح المسلم انہ علیہ السلام جعل ظھورھما الی السماءِ فلعلہ من خصوصیۃ دعاءِ الاستسقاءِ لما فیہ من الایماءِ الٰی انقلاب الاحوال کما ذکر فی تقلیب الرداءِ فالاول لحصول مطلوب من النعماءِ والثانی لدفع ماوقع بہ من البلاءِ". (شرح اربعین للقاری ص ۸۶ و ۸۷)

"جس وقت تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس سے اپنے سیدھے ہاتھوں کے ذریعے مانگو اور جب تم فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لو اور وہ حدیث جو مسلم شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب دعا مانگی تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کر لی، تو ہوسکتا ہے کہ یہ طلب بارش کی دعا کی خصوصیات سے ہے کیونکہ یہ بھی ایک اچھا شگون اور فال لینے کے درجہ میں ہے اور اس میں تبدیلی حالات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ چادر پلٹ کر اچھا شگون لیا جاتا ہے پس اگر کسی نعمت کی طلب کیلیے دعا کی جائے تو ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف کرنا چاہیے اور اگر کسی بلاء (قحط وغیرہ) کے دور کرنے کیلیے دُعاء مانگی جائے تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرنا چاہیے"۔

دعاء کی اقسام اور ہاتھ اُٹھانے کی کیفیت

مبسوط سرخسی میں امام محمدؒ بن حنفیہ سے منقول ہے کہ دعا کی چار قسمیں ہیں :

(۱) دعاء رغبت : اس میں بطنِ کف آسمان کی طرف ہوں۔

(۲) دعاء رہبت : اس میں پشتِ دست اپنے چہرے کی طرف ہوں۔

(۳) دعا تضرع : اس میں خنصر و بنصر دونوں اُنگلیوں کو بند کرے اور وسطی اور ابہامہ کا حلقہ بنائے اور مسبحہ سے اشارہ کرے۔

(۴) دعاء خفیہ : اس میں بندہ صرف دل سے عرض کرے اور زبان نہ ہلائے۔ (مراقی مع الطحطاوی ص۲۰۶)

(۵) دعاء کے بعد دونوں ہاتھوں کا چہرے پر پھیر لینا بھی امر مسنون ہے :

حضرت سائب ابن یزید اپنے والدِ مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے تو اپنے منہ پر دونوں ہاتھوں کو پھیرتے تھے۔ (بیہقی)

اور حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسولِ خدا جب دعا میں اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے تو انہیں اُس وقت تک نہ رکھتے تھے جب تک اپنے منہ پر نہ پھیر لیتے۔ (ترمذی)

اور تعلیق الصبیح ص۵۲ ج۳ پر اس کا یہ فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"واما مسح الوجه بهما فى خاتمة الدعاءِ فنراه من طريق التيمن والتفاؤل فكانه يشير الٰى ان كفيه ملئتا البركات السماوية والانوار الالهية فهو يفيض منهما علٰى وجهه الذى هو اولٰى الاعضاءِ بالكرامة"۔

"دعا کے خاتمہ پر اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا بطور تیمن اور نیک فالی کے ہے اور گویا وہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ میری ہتھیلیاں برکاتِ سماویہ اور انوارِ الٰہیہ سے مملو ہو چکی ہیں اور وہ اشرف الاعضاء یعنی اپنے چہرے کو ان سے مستفیض کر رہا ہے"۔ (ہکذا فی تحفۃ الاحوذی ص۳۲۹ ج ۹)

مسئلہ : ایک ہاتھ کا چہرے پر پھیرنا متکبرین کا فعل ہے۔ **ولا يمسح بيدٍ واحدةٍ لانه فعل المتكبرين .** (طحطاوی)

(۶) دُعا میں ہاتھ کن موقعوں پر اُٹھانے سنت ہیں :

باقی دعاؤں کے بارے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ دعا میں ہاتھ اُٹھانے اُسی جگہ سنت ہیں جہاں نبی اکرم ﷺ سے ہاتھ اُٹھانے ثابت ہیں اور جس مقام پر ہاتھ اُٹھانے ثابت نہیں وہاں بغیر ہاتھ اُٹھائے دعا کرنا سنت ہے اور ایسے موقعہ پر ہاتھ اُٹھانا خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔ اس موقع پر طحطاوی ص ۱۷۴ میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اور شرح مناسک میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں :

"السنة متبعة فی الاحوال المختلفة اما تریٰ انه علیه السلام دعٰی فی الطواف ولم یرفع یدیه".

"سنت کی مختلف حالات میں پیروی کی جائے گی کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے طواف میں دعا مانگی اور ہاتھ نہیں اُٹھائے"۔

تفسیر رُوح البیان ص ۳۲۶ ج ۴ میں علامہ اسماعیل حقی افندیؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو میں نے سخت سردی کی وجہ سے ایک ہی ہاتھ کو نکال کر دعا مانگی۔ دعا سے فراغت کے تھوڑی دیر بعد مجھ پر اُونگھ طاری ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرا وہ ہاتھ جو دعا کے لیے نکالا تھا نور سے بھرا ہوا ہے اور دوسرا بالکل خالی۔ تو میں نے کہا اے میرے پروردگار اس کی کیا وجہ ہے؟ تو غیب سے آواز آئی کہ جس ہاتھ کو تو نے دعا کے لیے نکالا تھا وہ تو نور سے بھر دیا گیا ہے اور جس کو تو نے مستور رکھا وہ محروم کر دیا گیا۔

ادب ۳ :

"دون العین فهو منهی عنه". (عین العلم)

"اور آدابِ دعا سے ایک یہ ہے کہ دعا کے وقت اپنی نگاہ آسمان کی طرف نہ اُٹھائے کیونکہ بوقتِ دعا نگاہ کا بلند کرنا ممنوع ہے"۔

تشریح : زین الحلم شرح العلم ص ۱۰۴ ج ۱ میں ملا علی قاریؒ اس قول کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

" لینتهین اقوام عن رفع ابصارهم الی السماءِ عند الدعاءِ اولتخطفن ابصارهم".

(باقی صفحہ ۴۱)

جناب حمید لکھنوی صاحب

سلام بدرگاہِ خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

☆

آفتابِ رسالت پہ لاکھوں سلام
ماہتابِ نبوت پہ لاکھوں سلام

باغِ جنت کے ہیں پھول رُخ پر نثار
روئے انور کی رنگت پہ لاکھوں سلام

"اُمتی اُمتی" لب پہ جاری رہا
نازبردارِ اُمت پہ لاکھوں سلام

خود سَروں کو پڑھایا سبق عجز کا
مصدرِ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

دُشمنوں سے بھی پیش آئے جو خُلق سے
ایسی پاکیزہ سیرت پہ لاکھوں سلام

اِک اشارے میں شق کردیا چاند کو
ایسے ماہِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جس نے باغِ جہاں کو معطر کیا
اس پسینہ کی نکہت پہ لاکھوں سلام

جس کے محتاج ہیں سب غریب و امیر
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

عاصیوں پر جو بخشش کے در کھول دے
ایسے تاجِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

جس کے جلوے سے عالم منور ہوا
اُس ظہورِ حقیقت پہ لاکھوں سلام

ابتداء جس کی ہو آپ کے نام سے
ایسی دلکش عبارت پہ لاکھوں سلام

جگمگاتی جو ذکرِ رسالت سے ہو
اُس سحر کی لطافت پہ لاکھوں سلام

باریابی کا حاصل ہو جس کو شرف
اُس سلامِ محبت پہ لاکھوں سلام

خوابگاہِ رسالت پہ بے حد دُرود
سبز گنبد کی نزہت پہ لاکھوں سلام

جب لیا نام ، دل کو سکوں ہو گیا
مونسِ رنج و کلفت پہ لاکھوں سلام

روز و شب ہے میسر حضوری اُنہیں
اہلِ طیبہ کی قسمت پہ لاکھوں سلام

مجھ گنہگار پر بھی ہو لطف و کرم
آپ کی چشمِ رحمت پہ لاکھوں سلام

آگیا پھر لبوں پر "محمدؐ" حمید
بھیجئے نامِ حضرت پہ لاکھوں سلام

☆

مسواک کے دینی وطبی فوائد

﴿محترمہ طاہرہ کوکب صاحبہ﴾

مسواک کے لغوی معنی ''رگڑنے'' یا ''ملنے'' کے ہیں۔علماء کی اصطلاح میں مسواک اس لکڑی کو کہا جاتا ہے جو دانتوں پر ملی یا رگڑی جائے جس سے دانتوں کی زردی وغیرہ دور ہو جائے۔

مسواک کا حکم کیوں نازل ہوا؟ :

حدیث شریف میں ہے کہ ابتداء اسلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنے کا حکم تھا خواہ آپ پہلے سے باوضو ہوں یا بغیر وضو کے،لیکن جب ہر نماز کے لئے وضو کرنا آپ کے لئے تکلیف دہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما کر ہر نماز کے لئے مسواک کرنے کا حکم دے دیا۔

مسواک تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے :

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنتوں میں سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا (۲) عطر لگانا (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا۔

مسواک میں اس سے بڑھ کر اور کیا خوبی ہوگی کہ سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب عمل ہونے کے ساتھ ساتھ سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی ہے۔

مسواک احادیث کی روشنی میں :

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مسواک منہ کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا موجب ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

''اگر مجھے اپنی امت کی مشقت اور دشواری کا خطرہ نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مسواک نصف وضو ہے اور وضو نصف ایمان ہے۔''

نبی کریم ﷺ کے مسواک کرنے کے اوقات :

مسند احمد میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جب گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے تھے اور جس وقت بھی نیند سے بیدار ہوتے تو مسواک ضرور کرتے تھے تاکہ منہ پاک صاف کرکے اپنے پروردگار سے ہمکلام ہوں۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات یا دن کے وقت جب بھی سو کر اٹھتے تو وضو سے پہلے مسواک کرتے تھے۔

مسواک کا ساتھ رکھنا :

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے مسواک کرنے کی بار بار تاکید فرمائی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مسواک ہر وقت اپنے پاس رکھنے کا معمول بنالیا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے وقت مسواک :

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک فرمایا کرتے تھے۔

گھر سے نکلتے وقت مسواک :

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ گھر سے نماز کے لئے نکلتے تو مسواک کر کے نکلتے تھے۔

روزہ دار کے لئے مسواک :

جس طرح نماز اور جمعہ کے لئے مسواک کا حکم ہے اسی طرح روزہ دار کیلئے بھی مسواک کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

"روزہ دار کی بہترین عادات میں سے مسواک کرنا بھی ہے۔"

تلاوتِ قرآن کے لئے مسواک :

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "لوگو! تمہارے منہ قرآن مجید کے راستے ہیں اس لئے انہیں مسواک سے اچھی طرح صاف کرو۔"

مسواک کی فضیلت :

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو نماز مسواک کے ساتھ پڑھی جائے وہ بغیر مسواک کے پڑھی جانے والی ستر (۷۰) نمازوں سے بہتر ہے۔''

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

''مسواک کر کے دو رکعت پڑھنا، بغیر مسواک کے ستر (۷۰) رکعت پڑھنے سے مجھے زیادہ بہتر ہے۔''

اگر مسواک نہ ہو تو انگلی کو مسواک بنالیں :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

''تیری انگلی تیرا مسواک ہے، اگر تو نے مسواک کی نیت سے انگلی دانتوں پر پھیر لی تو اس سے بھی مسواک کا اجر مل جائے گا۔''

برش کا حکم :

جیسا کہ حدیث اور فقہ کی عبارات سے معلوم ہو چکا ہے کہ مسواک میں جو فضیلت اور ثواب پایا جاتا ہے مسواک کی موجودگی میں دوسری کسی چیز میں یہ فضیلت یا ثواب نہیں پایا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں مسواک کا استعمال بہت کم ہو گیا ہے۔ البتہ دانتوں کی صفائی اور مضبوطی کی غرض سے برش منجن اور ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کا عام رواج ہو گیا ہے۔ طبی نقطہ نگاہ سے ممکن ہے منجن یا ٹوتھ پیسٹ بھی مفید ہوں لیکن جو خاصیت مسواک میں پائی جاتی ہے وہ کسی بھی دوسری چیز میں نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں مسواک کرنے سے نہ صرف بے شمار طبی فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ بے انتہا ثواب بھی ملتا ہے اور یہ دیگر اشیاء کے مقابلے میں زیادہ سستی ہے۔ علماء کا ارشاد ہے کہ مسواک دانتوں کی چوڑائی میں کیا جائے لمبائی میں نہ کرے جب کہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ طول و عرض دونوں میں کرے اگر دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا ہو تو پھر چوڑائی میں کرنا چاہیے۔

خواتین کے لئے مسواک :

مسواک کی فضیلت میں مرد اور عورت برابر کے شریک ہیں لیکن عورت مسواک کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اس کی پابند نہیں ہے بلکہ اس کے لئے صنوبر کا گوند چبالینا بھی مسواک کے قائم مقام ہے۔ اس سے دانت مضبوط

ہوتے ہیں۔عورتوں کو گوند چبانے کا حکم مردوں کی طرح وضو کے وقت نہیں بلکہ جس وقت چاہیں چبالیں البتہ مسواک اور ثواب کی نیت سے چبانے پر ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔

مسواک کے طبی وروحانی فوائد :

مسواک کے چھتیس (۳۶) فوائد ہیں جن میں سے کمتر درجہ منہ کی بدبو دور کرنا اور اعلیٰ درجہ موت کے وقت کلمہ پاک یاد آنا ہے۔مسواک بصارت کو تیز اور مسوڑوں کو مضبوط کرتی ہے۔مسواک بڑھاپے میں تاخیر اور پل صراط پر چلنے میں تیزی بخشے گا۔منہ کی پاکیزگی کا موجب اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔دانتوں کو چمکدار بنانا، بلغم کو قطع کرنا، معدے کیلئے مقوی اور منہ کے گندے پانی اور زردی کو زائل کرنے والا ہے۔منہ کو پاک کرتا ہے، شیطان کو غصہ دلاتا، نیکیوں کو بڑھاتا، فصاحت میں اضافہ کرتا، منہ کی کڑواہٹ کا دافع، سر اور دانتوں کے درد میں مفید اور اخراج ریح میں سہولت پیدا کرتا ہے۔

مسواک ہمیشہ کرنے سے رزق میں زیادتی، مال میں وسعت منہ کی پاکیزگی، مسوڑھوں کی مضبوطی، سر درد میں تسکین، قاطع بلغم، دانتوں کی مضبوطی، معدہ کی اصلاح، بدن کی تقویت، فصاحت و بلاغت میں اضافہ، عقل وفہم اور حفظ یادداشت میں فراوانی، قلب کی صفائی، نیکیوں میں اضافہ، ملائکہ کی خوشی اور مصافحہ کا موجب ہے۔اگر ایک دو روپے خرچ کر کے اتنے سارے دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہو جائیں تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔

قوم کا مزاج یہ ہو گیا ہے کہ وہ اپنی دیسی اور ملکی چیزوں کو کمتر سمجھنے لگے ہیں اور ان کا استعمال کم سے کم ہوتا جارہا ہے اور غیر ملکی چیزیں جن کی درآمد پر ملک کا قیمتی زرمبادلہ صرف ہوتا ہے ان کا استعمال بڑھتا جارہا ہے۔حالانکہ اگر ہم اپنے قدموں پر کھڑا ہونا چاہتے ہیں اور خود انحصاری کی منزل پر گامزن ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں خوبصورت اشتہارات کے پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کے بجائے عقل و دانش سے کام لیتے ہوئے خود انحصاری کو اپنانا چاہئے۔یہی راستہ ہماری ترقی کا ضامن ہے۔

مالِ محمود اور مالِ مذمُوم

دارالاسباب دنیا میں انسان کو وہ چیز بہت محبوب ہوتی ہے جس کے ذریعہ اُس کے سارے کام بآسانی ہوں اور وہ ''مال و دولت'' ہے۔ دُنیا کے سارے کام اس کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کے ذریعہ تقریباً ہر کام بہ سہولت اور جلدی ہو جاتا ہے۔ دنیا میں تمام خواہشات اِس کے ذریعہ جلد پوری جاتی ہیں۔ اس لیے انسان کو اِس (مال و دولت) سے بہت محبت ہوتی ہے۔ ہر وقت اس کے کمانے اور جمع کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے محفوظ رکھتا ہے۔ مال فی نفسہ بُری چیز نہیں۔ اس کا استعمال جیسے ہوگا ویسے ہی اُس کا حکم ہوگا۔ اگر دولت خدمت اسلام کے لیے استعمال ہو تو پھر یہ بُری چیز نہیں بلکہ مُبارک اور محمود ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی تعالیٰ عنہ وغیرہ حضرات کے اموال جو اسلام ہی کے لیے خرچ ہوئے اور انہوں نے اس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی۔

ہاں اگر مال کا استعمال غلط طرح ہو مثلاً شراب نوشی، رشوت، زنا کاری اور دیگر ناجائز اُمور پر صرف کیا جائے اور زکوٰۃ نہ ادا کی جائے، مستحقین کی امداد نہ کی جائے، پڑوسیوں کا خیال نہ رکھا جائے، امانت واپس نہ کی جائے، غرضیکہ ناجائز طرح سے کمایا جائے اور ناجائز طرح سے خرچ کیا جائے تو ایسا مال وبال بن جاتا ہے۔ اور یہ تمام خرابیاں (بخل خیانت وغیرہ) مال کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ اس لیے جناب رسول اللہ ﷺ نے بارہا انسان کو یہ نصیحت فرمائی ہے کہ مال کی محبت دل سے نکال دو تا کہ وہ تمام خرابیاں جاتی رہیں جو مال کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان کو اگر مال و دولت سے محبت ہو تو وہ مال غلط استعمال کرتا ہے اور غلط ذرائع سے کماتا ہے۔ اگر اس کو خدا اور رسول ﷺ سے حقیقی محبت ہو تو وہ مال خدا اور رسول ﷺ کے منشاء کے مطابق کماتا اور خرچ کرتا ہے۔ آقائے نامدار ﷺ نے جس چیز سے روکا ہے وہ مال کی محبت ہے۔ مال کمانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ کمانے کے جائز طریقے خود بتلائے ہیں۔ بعثت سے پہلے آپ ﷺ خود بھی تجارت فرماتے رہے اور بڑا نفع حاصل کیا جو روایت آج بیان کرنی تھی یہ اس کی تمہید ہوئی، روایت میں ارشاد ہے :

یقول العبد مالی مالی یعنی بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے یہ میرا مال ہے۔ **وان مالہ من مالہ ثلث** حالانکہ جو کچھ اسے حاصل ہے اُس میں سے اِس کا صرف تین طرح کا مال ہے :

(۱) **ما اکل فافنی** یعنی جو کھالے اور اُسے فنا کردے۔ فنا کا مطلب یہ ہے کہ صرف کھایا ہی نہیں بلکہ ہضم بھی کرلیا۔ اور جو کھایا نہیں یا کھایا تو ہے مگر اُسے ہضم نہیں کرسکا تو یہ مال اُس کا نہیں۔ **اولبس فابلی** یا پہنے اور پہن کر پُرانا

کردے۔ یہاں بھی پرانے کرنے کا مطلب یہی ہے کہ صرف پہننے سے اس کا مال نہیں بن جاتا بلکہ پرانا کرنے سے۔ اگر کوئی نیا کپڑا پہن لے تو جب تک وہ پرانا اور فنا نہ ہوگا اُس کا نہیں کہلایا جاسکتا۔ معلوم نہیں کہ یہ کپڑا وہ خود اُتارے گا یا دوسرے اُتاریں گے یعنی یہ خبر نہیں کہ وہ اُس کپڑے کے ختم ہونے تک زندہ بھی رہے گا یا پہلے ہی وفات پاجائے گا۔ ہاں اگر پہنتے پہنتے اُس کے پاس ہی پرانا ہوگیا تو پھر یہ واقعی اس کا مال تھا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں ایک بچی اُمِ خالد لائی گئی، اُس کے سر پر دوپٹہ تھا۔ حضور ﷺ نے اُس کو دعا دی کہ پرانا کرتی رہے پرانا کرتی رہے۔ یعنی کپڑے پرانے کرتی چلی جائے۔ مقصد یہ ہے کہ تو زیادہ عرصہ تک زندہ رہے۔ آگے ارشاد ہے اواعطی فاقتنٰی یا خدا کی راہ میں دے دے اور ذخیرہ بنادے جو اُسے آخرت میں کام آئے۔ پھر فرمایا : وما سوی ذالک فھو ذاھب وتارک للناس یعنی جو کچھ ان تین کے سواء ہے تو اُس کا یہ حال ہے کہ یہ شخص تو چلا جائیگا اور جو جمع کیا ہے وہ لوگوں کے لیے چھوڑ جائیگا۔

گویا صرف تین طرح کا مال حقیقتاً اس کا ہے اور وہ اسے مال کہہ سکتا ہے : (۱) جو کھا کر ہضم کرلے۔ (۲) جو پہن کر پُرانا کردے۔ (۳) جو خدا کی راہ میں صرف کردے اور پھر نام نہ لے بلکہ اُسے خزانہ کی طرح چھپا کر اپنے اور خدا کے درمیان رکھے۔ ان تین طرح کے علاوہ مال کو دوسرے لوگ خرچ کریں گے۔ وہ چھوڑ کر چلا جائے گا ایک روز یہی بات نہایت خوب صورتی سے سمجھانے کے لیے حضور ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، فرمایا : ایکم مال وارثہ احب الیہ من مالہٖ یعنی تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟ (یعنی یہ چاہتا ہو کہ میرے پاس مال نہ ہو اور وارث کے پاس ہو) صحابہ کرامؓ نے عرض کیا قالوا یا رسول اللّٰہ مامنا احد الا مالہٗ احب الیہ من مال وارثہ یعنی ہم میں تو کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا قال رسول اللّٰہ فان مالہ ماقدم ومال وارثہ ما اخر فرمایا کہ اپنا مال تو وہ ہے جو پہلے بھیج دے اور اپنے وارث کا مال وہ ہے جو بعد کے لیے چھوڑ جائے۔

مراد یہ ہے کہ جسے اپنے مال سے محبت ہے اُسے چاہیے کہ وہ آگے کے لیے بھیج دے وہی حقیقت میں اس کا ہوگا اور جو رہ جائے گا وہ ورثاء کا ہوگا۔ غرضیکہ جو مال شریعت کے مطابق جمع کیا جائے اور شریعت کے مطابق خرچ کیا جائے وہ اچھی چیز ہے۔ قرآن کریم میں ایسے مال کو اور دولت کو فضل و خیر جیسے اچھے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو دولت غیر شرعی طور پر کمائی جائے اور غیر شرعی طور پر صرف کی جائے وہ دولت و مال مذموم اور ملعون ہے۔

❁❁❁

دینی مسائل

﴿ قضا نمازوں کے پڑھنے کا بیان ﴾

مسئلہ : کوئی نماز چھوٹ گئی ہو تو جب یاد آئے فوراً اُس کی قضا پڑھے۔ بلا عذر کے قضا پڑھنے میں دیر لگانا گناہ ہے۔ لہٰذا جس کی کوئی نماز قضا ہوگئی اور اُس نے فوراً اُس کی قضا نہ پڑھی دوسرے وقت پر یا دوسرے دن پر ٹال دی کہ فلاں دن پڑھ لوں گا اور اُس دن سے پہلے ہی اچانک مرگیا تو دوہرا گناہ ہوا۔ ایک تو نماز کے قضا ہونے کا اور دوسرے فوراً قضا نہ پڑھنے کا۔

مسئلہ : اگر کسی کی کئی نمازیں قضا ہوگئیں تو جہاں تک ہو سکے جلدی سے سب کی قضا پڑھ لے۔ ہو سکے تو ہمت کر کے ایک ہی وقت سب کی قضا پڑھ لے اور اگر بہت سی نمازیں کئی مہینے یا کئی برس کی قضا ہوں تو اُن کی قضا میں بھی جہاں تک ہو سکے جلدی کرے، ایک ایک وقت میں دو دو چار چار نمازیں پڑھ لیا کرے۔ اگر کوئی مجبوری اور ناچاری ہو تو خیر، ایک وقت ایک ہی نماز کی قضا سہی۔ یہ بہت کم درجہ کی بات ہے۔

مسئلہ : قضا پڑھنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے جس وقت فرصت ہو وضو کر کے پڑھ لے البتہ خیال رکھے کہ مکروہ وقت نہ ہو۔

مسئلہ : جس کی ایک ہی نماز قضا ہوئی اُس سے پہلے کوئی نماز اُس کی قضا نہیں ہوئی یا اِس سے پہلے نمازیں قضا تو ہوئیں لیکن سب کی قضا پڑھ چکا ہے فقط اِسی ایک نماز کی قضا پڑھنا باقی ہے تو پہلے اس کی قضا پڑھ لے پھر کوئی اور نماز پڑھے۔ اگر بغیر قضا نماز پڑھے ہوئے ادا نماز پڑھی تو ادا درست نہیں ہوئی۔ قضا پڑھ کر پھر ادا پڑھے۔ ہاں اگر قضا کرنا یاد نہیں رہا، بالکل بھول گیا تو ادا درست ہوگئی۔ اب جب یاد آئے تو فقط قضا پڑھ لے ادا کو نہ دہرائے۔

مسئلہ : اگر وقت بہت تنگ ہے کہ اگر قضا پڑھے گا تو ادا نماز کا وقت باقی نہ رہے گا تو پہلے ادا پڑھ لے پھر قضا پڑھے۔

مسئلہ : اگر دو یا تین یا چار یا پانچ نمازیں قضا ہوگئیں اور سوائے اِن نمازوں کے اُس کے ذمہ کسی اور نماز کی قضا باقی نہیں ہے یعنی عمر بھر میں جب سے جوان ہوا ہے کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی یا قضا تو ہوگئی لیکن سب کی قضا پڑھ چکا ہے تو جب تک اِن پانچوں کی قضا نہ پڑھ لے تب تک ادا نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور جب اِن پانچوں کی قضا پڑھے تو اِس طرح پڑھے کہ جو نماز سب سے اول چھوٹی ہے پہلے اُس کی قضا پڑھے پھر اُس کے بعد والی پھر اُس کے بعد والی۔ اسی طرح ترتیب سے پانچوں کی قضا پڑھے جیسے کسی نے پورے ایک دن کی نمازیں نہیں پڑھیں۔ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء یہ

پانچوں نمازیں چھوٹ گئیں تو پہلے فجر پھر ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشاء اِسی ترتیب سے قضاء پڑھے۔ اگر پہلے فجر کی قضا نہیں پڑھی بلکہ ظہر کی پڑھی یا عصر کی یا اور کوئی تو دُرست نہیں ہوئی پھر سے پڑھنا پڑے گی۔

مسئلہ : اگر کسی کی چھ نمازیں قضاء ہو گئیں تو اب اِن کی قضاء پڑھے بغیر بھی ادا نماز پڑھنا جائز ہے اور جب اِن چھ نمازوں کی قضا پڑھے تو جو نماز سب سے اول قضا ہوئی ہے پہلے اُسی کی قضا پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ جو چاہے پہلے پڑھے اور جو چاہے پیچھے پڑھے۔ سب جائز ہے اور ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ : دو چار مہینے یا دو چار سال ہوئے کہ کسی کی چھ نمازیں یا زیادہ قضا ہو گئیں تھیں اور اب تک اُن کی قضا نہیں پڑھی لیکن اِس کے بعد سے ہمیشہ نماز پڑھتا رہا کبھی قضا نہیں ہونے پائی۔ مدت کے بعد اب پھر ایک نماز جاتی رہی تو اِس صورت میں اُس کی قضا پڑھے بغیر بھی ادا نماز پڑھنی درست ہے اور ترتیب واجب نہیں۔

مسئلہ : کسی کے ذمہ چھ نمازیں یا بہت سی نمازیں قضا تھیں۔ اس وجہ سے ترتیب سے پڑھنی اس پر واجب نہیں تھیں لیکن اُس نے ایک ایک دو دو کر کے سب کی قضا پڑھ لی۔ اب کسی نماز کی قضا پڑھنا باقی نہیں رہا تو اب پھر جب ایک نماز یا پانچ نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب سے قضا پڑھنا پڑھیں گی اور اِن پانچوں کی قضا پڑھے بغیر ادا نماز پڑھنا درست نہیں۔ البتہ اب پھر اگر چھ نمازیں چھوٹ جائیں تو پھر ترتیب معاف ہو جائے گی اور اِن چھ نمازوں کی قضا پڑھے بغیر بھی ادا نماز پڑھنا درست ہو گی۔

مسئلہ : اگر وتر کی نماز قضا ہو گئی اور سوائے وتر کے کوئی اور نماز اُس کے ذمہ قضا نہیں تو پھر وتر کی قضا پڑھے بغیر فجر کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ اگر وتر کا قضا ہونا یاد ہو پھر بھی پہلے قضا نہ پڑھے بلکہ فجر کی نماز پڑھ لے تو اب قضا پڑھ کے فجر کی نماز پھر پڑھنا پڑے گی۔

مسئلہ : فقط عشاء کی نماز پڑھ کے سو رہا پھر تہجد کے وقت اُٹھا اور وضو کر کے تہجد اور وتر کی نماز پڑھی پھر صبح کو یاد آیا کہ عشاء کی نماز بھولے سے بے وضو پڑھ لی تھی تو اب فقط عشاء کی قضا پڑھے وتر کی قضا نہ پڑھے۔

مسئلہ : قضا فقط فرض نمازوں کی اور وتر کی پڑھی جاتی ہے سنتوں کی قضا نہیں ہے۔ البتہ اگر فجر کی نماز قضا ہو جائے تو اگر دوپہر سے پہلے پہلے قضا پڑھے تو سنت اور فرض دونوں کی قضا پڑھے اور اگر دوپہر کے بعد قضا پڑھے تو فقط دو رکعت فرض کی قضا پڑھے۔

مسئلہ : اگر فجر کا وقت تنگ ہو گیا اس لیے فقط دو رکعت فرض پڑھ لیے سنت چھوڑ دی تو بہتر یہ ہے کہ سورج اُونچا ہونے کے بعد سنت کی قضا پڑھ لے لیکن دوپہر سے پہلے ہی پہلے پڑھ لے۔

مسئلہ : کسی بے نمازنے توبہ کی تو جتنی نمازیں عمر بھر میں قضا ہوئی ہیں سب کی قضا پڑھنا واجب ہے توبہ سے نمازیں معاف نہیں ہوئیں البتہ نہ پڑھنے سے جو گناہ ہوا تھا وہ توبہ سے معاف ہو گیا اب اُنکی قضا نہ پڑھے گا تو پھر گناہ گار ہوگا۔

مسئلہ : اگر کسی کی کچھ نمازیں قضا ہو گئی ہوں اور اُن کے قضا پڑھنے کی ابھی نوبت نہیں آئی تو مرتے وقت نمازوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کر جانا واجب ہے، نہیں تو گناہ ہوگا۔

مسئلہ : اگر چند لوگوں کی نماز کسی وقت قضا ہو گئی ہو تو اُن کو چاہیے کہ اس نماز کو جماعت سے ادا کریں۔ اگر بلند آواز کی نماز ہو تو بلند آواز سے قرأت کرے اور آہستہ آواز کی ہو تو آہستہ آواز سے۔

مسئلہ : اگر کوئی نابالغ عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور طلوع فجر کے بعد بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے جس سے معلوم ہو کہ اُس کو احتلام ہو گیا ہے تو راجح قول کے مطابق اُس کو چاہیے کہ عشاء کی نماز کا پھر اعادہ کرے اور اگر طلوع فجر سے قبل بیدار ہو کر منی کا اثر دیکھے تو بالاتفاق عشاء کی نماز قضا پڑھے۔

نفیس بک بائنڈرز

ہمارے یہاں ''ڈائی دار اور لیمینیشن والی جلد'' بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی ''بکس والی جلد'' بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے۔ ہمارے یہاں روٹا مشین پر ''کلر پرنٹنگ'' (ٹائٹل وغیرہ کی چھپائی) کا کام بھی دیدہ زیب اور بازار سے رعایتی نرخ پر کیا جاتا ہے۔

مناسب نرخ پر معیاری جلد سازی اور طباعت کے لیے رجوع فرمائیں

6/ 16 ٹیپ روڈ نزد مین گیٹ گھوڑا ہسپتال لاہور

پروپرائیٹر : محمد سلیم و محمد ندیم

موبائل نمبر : 0300-9464017 , 0300-4293479

فون نمبر : 042-7322408

اہم اعلان

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے اور جامعہ مدنیہ قدیم و جامعہ مدنیہ جدید کی سرپرستی میں

fahmedeen.com

کے نام سے انٹرنیٹ (Internet) پر ایک ویب سائٹ جاری کی گئی ہے۔ اس ویب سائٹ پر آپ کو مختلف پروگرام ملیں گے :

۱۔ عقائد، اصول اور مسائل کے اہم موضوعات پر تفصیل

۲۔ تفسیر اور حدیث کے اہم اقتباسات

۳۔ موجودہ وقت کے ضروری مسائل

مندرجہ بالا تینوں پروگرام کے کچھ حصے Upload ہو چکے ہیں اور باقی پر کام جاری ہے۔ جتنا کام ہو چکا ہے لوگ اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

۴۔ آپ کا سوال ہمارا جواب

اس کے لیے ہمارا نیا ای میل ایڈریس یہ ہے fatwa@fahmedeen.com

جبکہ fatwa_abdulwahid1@hotmail.com پر آپ کے سوالات کا جواب دینے کا سلسلہ ایک عرصہ سے جاری ہے۔

۵۔ ہمارا ارادہ ہے کہ Internet پر ''فہمِ دین کورس'' باقاعدہ کرایا بھی جائے اس کے لیے ضروری کام کیا جا رہا ہے انشاء اللہ جلد شروع کریں گے۔

یاد رکھیے! جامعہ مدنیہ (قدیم و جدید) علمی اعتبار سے ایک مستند اور معیاری ادارہ ہے اور انٹرنیٹ یا ای میل پر اس کی کسی بھی پیشکش کو آپ انشاء اللہ معیار اور استناد میں مضبوط ہی پائیں گے۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کیجیے

۱۔ مولانا سید محمود میاں صاحب ''جامعہ مدنیہ جدید'' محمد آباد رائیونڈ روڈ لاہور

فون : +92-333-4249301 , +92-42-7726702

jmj786_56@hotmail.com

۲۔ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب ''جامعہ مدنیہ'' کریم پارک راوی روڈ لاہور

فون : +92-300-4113082 , +92-42-7461854

fatwa_abdulwahid1@hotmail.Com

☆☆☆

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی اُمور

(۱) مسجد حامد کی تکمیل

(۲) طلباء کے لیے دارالاقامہ (ہوسٹل) اور درسگاہیں

(۳) کتب خانہ اور کتابیں

(۴) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اجر ہے (ادارہ)

☆☆☆